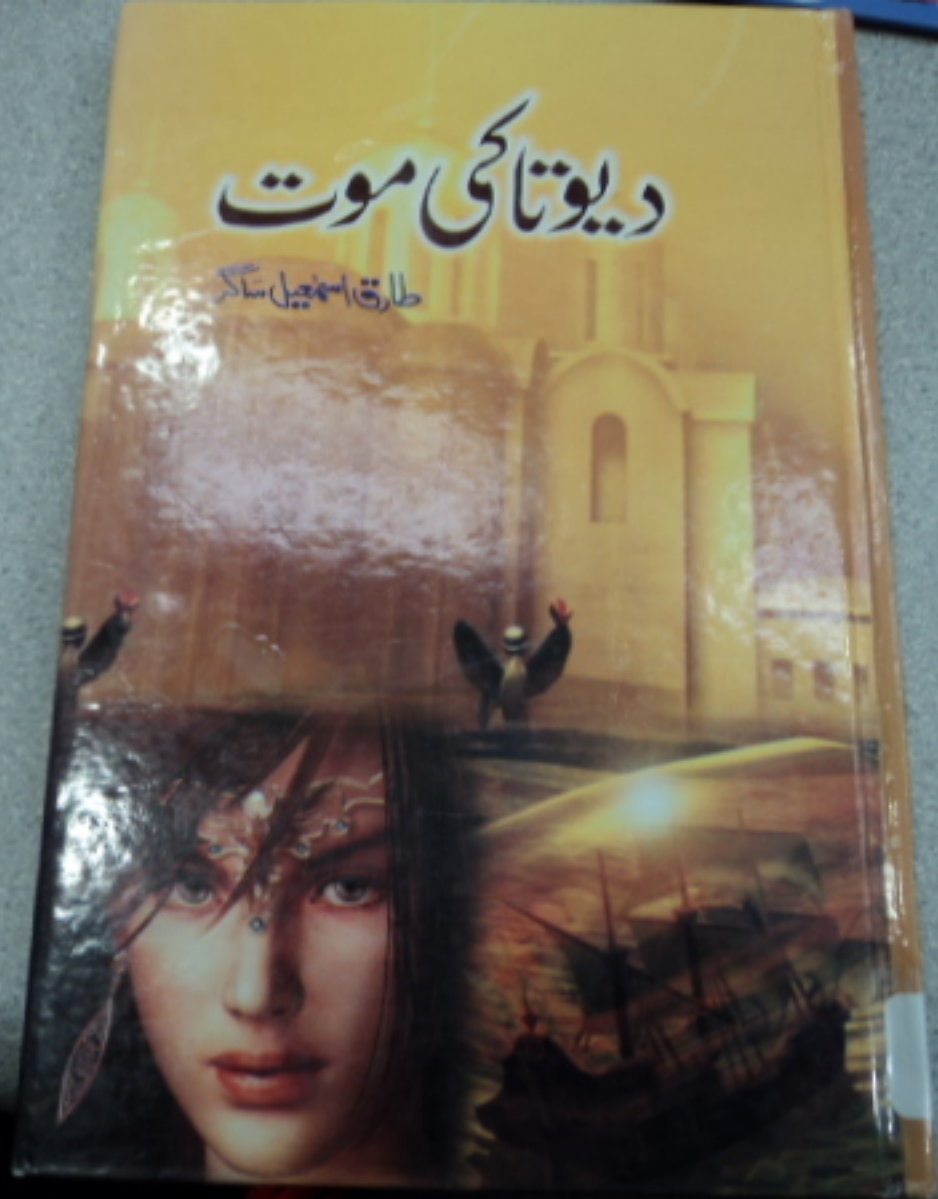


دیوتا کی موت

طارق اسماعیل شاہ



دیوتا کی موت

(بچوں کے لیے)

طارق اسماعیل ساگر

سیونٹھ سکائی پبلی کیشنز

غزنی سٹریٹ، الحمد مارکیٹ، 40- اردو بازار، لاہور فون: 7223584

میری یہ کتاب ادارہ سیونٹھ سکاٹی پبلی کیشنز سے شائع ہو رہی ہے جس کے بعد امید ہے کہ آپ کی وہ شکایات جو آپ میری کتابوں کے لئے استعمال ہونے والے کاغذ، جڑ بندی اور پروف ریٹنگ سے متعلق کیا کرتے ہیں ان شکایات کا ازالہ ہو جائے گا۔ جس طرح یہ قاری کی خواہش ہوتی ہے کہ کتاب معنوی ہی نہیں، صوری طور پر بھی خوبصورت دکھائی دے۔ مصنف بھی یہی چاہتا ہے کہ اس کی تحقیق چپ بیکر میں ڈھلے تو اتنی ہی خوبصورت دکھائی دے جیسا کہ اس نے سوچا اور لکھا۔

ہمارے ہاں بد قسمتی سے حکومت کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ قاری اور کتاب کا رشتہ ختم ہو جائے اس کے لئے بہترین ہتھیار کاغذ کی گرانی ہے جسے ہر حکومت نے کھپاڑے کی طرح استعمال کیا ہے۔ دنیا کے جاہل ترین معاشروں میں بھی کتاب کے لئے استعمال ہونے والے کاغذ پر حکومتیں رعایت دیتی ہیں ہمارے ہاں الٹی گز کا بہتی ہے اور زمانے بھر کے ٹیکس کاغذ پر تصویب کرا سے اتنا مہنگا اور تباہ کر دیا جاتا ہے کہ خدا کی پناہ۔

ان حالات میں جو پبلشرز کتاب خوبصورت انداز میں آپ تک پہنچاتے ہیں بلاشبہ وہ مہارکباد کے مستحق ہیں۔ سیونٹھ سکاٹی پبلی کیشنز بھی ان میں شامل ہے میری تمام پرانی کتابیں اسی ادارے سے ملیں گی اور جلد ہی انشاء اللہ نئی کتابیں بھی۔

آپ سے درخواست ہے کہ میری کتابیں طلب کرتے ہوئے ادارہ سیونٹھ سکاٹی پبلی کیشنز کا نام ضرور دیکھ لیا کریں تاکہ آپ تک معیاری کتاب پہنچے۔

طارق اسماعیل ساگر

خیر خواہ

دو پہر کا ایک بچہ چکا تھا، سکول میں چھٹی ہو چکی تھی اور بچے سکول سے باہر آ رہے تھے۔ اس سکول میں غریب لوگ اپنے بچوں کو پڑھانے کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ یہاں دو تین اور بڑے لوگوں کے بچے ہی کو داخلہ ملتا تھا۔ سکول کے باہر سڑک کے دونوں کناروں پر گاڑی رکنے کی دہر تھی کہ بوڑھا لپک کر اس کے نزدیک پہنچ گیا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو جھللا رہے تھے اور خاصا پریشان دکھائی دے رہا تھا۔ اس کی شکل پر ایک نظر ڈالتے ہی بابے حمیدے کا دل بھر آیا۔

”کیا بات ہے بھائی؟“ اس نے شیشے سے گردن باہر نکال کر پوچھا۔

”میری بیوی کی حالت بہت خراب ہے۔ ہم نزدیکی کوٹھی میں کام کرتے ہیں۔ گھر پر کوئی بھی نہیں ہے۔ صاحب اور میم صاحب کسی کام سے گئے ہیں۔ اس کی حالت اچانک خراب ہو گئی ہے اور کوئی سواری بھی نہیں مل رہی۔ خدا کے لیے تم ہمیں نزدیکی مشن ہسپتال پہنچا دو۔ خدا تمہارا بھلا کرے گا۔“

اتنا کہہ کر بوڑھے کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

مشن ہسپتال یوں بھی حمیدے کے راستے میں پڑتا تھا۔ اس نے سوچا نجانے بھارے کس مصیبت میں مبتلا ہیں جو اس سے لفٹ کے لیے درخواست کی ہے۔ اس نے باہر نکل کر کار کا دروازہ کھول دیا اور بوڑھے سے کہا کہ اپنی بیوی کو یہاں لے آئے۔ ”بھائی خدا تمہارا بھلا کرے۔ ذرا میری مدد کر دو، ہم دونوں اسے سہارا دے کر لے آتے ہیں۔ اس میں تو ایک قدم چلنے کی ہمت ہی باقی نہیں ہے۔“

بوڑھے نے بڑے جتنی لہجے میں کہا۔

”اچھا آؤ۔“

اتنا کہہ کر بابا حمید اور رخت کی طرف بڑھا۔ درخت کے نزدیک پہنچ کر دونوں نے چاہا کہ

تویر کو بیچ میں ڈال کر اس کے ایک دوست نے کہا۔

”آؤ بیچ میں نہیں رہا ہے میں مارا پکڑتا ہوں گا۔“

ابھی تویر یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اسے کیا جواب دے گا اسے کاروں کے درمیان سڑک پر اپنی کار دروازے کی طرف آتی دیکھائی دی۔

”شکر یہ دوست میری گاڑی آگئی۔“

اس نے گاڑی پر نظر ڈالنے ہوئے کہا۔ ڈرائیور نے گاڑی ایک خالی جگہ تک کر پارک کر دی تھی۔ تویر خود ہی اس طرف بڑھا کیونکہ گاڑی یہاں تک نہیں آ سکتی تھی۔ گاڑی کے نزدیک پہنچ کر وہ ٹھوکر کا کیونکہ گاڑی میں اسے حیدر کے بھائی کوئی اور ڈرائیور موجود تھا۔

”سلام چھوٹے صاحب۔“ اسے اپنے نزدیک آتا دیکھ کر ڈرائیور نے دروازہ کھولنے ہوئے کہا۔

”کون ہو تم۔ میں نے تمہیں پہلے کسی جگہ دیکھا اور اب حیدر کہاں ہے؟“

تویر نے اس کے سلام کا جواب دیتے ہوئے پوچھا۔

”صاحب میں ٹیکسری کا ڈرائیور ہوں۔ آج سونہ صاحب حیدر کے ساتھ کسی کام سے گئے ہیں۔ انہیں دیر ہوگئی تھی۔ انہوں نے فون پر مجھے حکم دیا تھا کہ آپ کو سکول سے لے آؤں۔“ ڈرائیور نے جوشیل سے بڑا شریف نظر آ رہا تھا۔

”لیکن ڈیڈی نے مجھے تو بتایا تھا۔“

تویر نے کہا۔

جناب انہیں اچانک کام پڑا تھا۔ بیگم صاحبہ بھی ان کے ساتھ ہی گئی ہیں۔ مجھے معاف کر دیں میں چند منٹ لیٹ ہو گیا۔ آپ کی مہربانی آپ صاحب سے شکایت نہ کرنا۔“ اس نے منت کے سے اعزاز میں کہا۔

”اچھا اٹھیک ہے۔ چلو! اتنا کہہ کر تویر گاڑی میں بیٹھ گیا۔

گاڑی چل دی۔ جب وہ اپنی کالونی کی طرف جانے والی سڑک پر پہنچے تو ڈرائیور نے اچانک ہی کار دوسری طرف موڑ لی۔

”کیا بات ہے؟ کدھر جا رہے ہو؟“ تویر گھبرا گیا۔

”صاحب آپ کی بڑی مہربانی سامنے والی کوٹھی میں میرا بھائی ملازم ہے۔ اسے ایک بیٹام دینا ہے۔ میری ماں گاؤں میں بیمار ہے۔ اسے کہنا ہے فوراً گھر چلا جائے۔ آپ کی بڑی مہربانی ہوگی۔“

جنگ کر عورت کے بازو تمام لیں اور اسے سہارا دے کر کھڑی کر لیں۔ عورت نے چارپائی پر دست کے سے ٹپک لگائے دروازے پر کھڑی تھی۔ جیسے ہی باپ حیدر نے جنگ کر اسے سہارا دینا چاہا اس کے بازو طبع روشن ہو گئے۔ درخت کی لکڑی میں چھپے ان کے ساتھی نے اچانک ہی اس کے سر پر لاطس سے زوردار ضرب لگائی۔

حیدر کا شدید تھا کہ باپ حیدر کو ایک لمبے کے لیے سنبھلی کی مہلت بھی نہ مل سکی۔ اس کپڑے کے پھٹنے سے پھر پڑنے کا احساس ضرور ہوا لیکن وہ حملہ آور کی فصل بھی نہ دیکھ سکا اور اس کا ذہن بھڑکی میں ڈوبنے لگا۔ بابا حیدر ان کا کڑا کر رہے ہیں ڈھیر ہو گیا۔

یہ زیادہ مصروف شاہراہ نہیں تھی۔ اکا دکا گاڑیاں ہی ادھر سے گزرا کرتی تھیں۔ پھر اس علاقے گرمی میں بغیر ضرورت کے گھر سے باہر نکلا بھی کون ہے؟ بابا حیدر اپنے ہوش کھو چکا تھا۔ اسے ہوش آتا وہ ایک کمرے میں بند تھا۔ جس میں صرف وہی ایک چارپائی تھی جس پر اسے لیٹا گیا تھا۔ باپ حیدر نے ہوش میں آ کر جب گردن کو کھٹکاتا چاہا تو اس کے سر کے پھٹنے سے درد کی زوردار لہر اٹھی۔ باپ حیدر کے منہ سے کراہ لگ گئی۔ جلد ہی ہوش نے اپنی حالت کو سنبھال لیا۔

اوسان بحال ہوئے تو اسے پچھلے تمام واقعات یاد آ گئے اور اس بات کی بھی کچھ آگئی کہ ان لوگوں نے یہ سارا ڈھونگ اس سے گاڑی پھینکنے کے لیے رچایا تھا۔ لیکن کیا وہ صرف گاڑی ہی جیتنا چاہتے تھے۔

اس سوال نے باپ حیدر کو پریشان کر کے رکھ دیا۔ اسے اپنی تو نہیں رہ رہ کر غور کی فکر رہی تھی اور وہ دل ہی دل میں دعائیں مانگ رہا تھا کہ خدا کرے اس کا چھوٹا صاحب بخت کمر بکھڑکی ہو۔ یہ بات تو اس کو بھی بخوبی سمجھ آ سکتی تھی کہ اگر ان لوگوں نے صرف کاری چھینتی تھی تو اسے یہاں کیسے لے آئے ہیں؟ ظاہر ہے ان کے مقاصد کچھ اور تھے۔ بابا حیدر نے اعزازہ لگا لگا کر وہ کسی گھر کے کمرے خانے میں بند ہے کیونکہ یہاں گرمی کا احساس نہیں ہو رہا تھا۔ گو کہ اس کے سر میں شدید درد تھا۔ لیکن بے چارہ بابا حیدر اپنا درد بھول کر اپنے ”چھوٹے صاحب“ کی فکر کرنے لگا۔

☆☆☆

تویر جب چھٹی کے بعد اپنے ساتھیوں کے ساتھ سکول کے دروازے سے باہر نکلا تو آج مکمل سہرا ہے۔ آج صبح ہوائی کیونکہ گاڑی دور دور تک دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ جب کہ اس کے ساتھی اسے خدا حافظ کہہ کر اپنی اپنی کاری طرف بڑھ رہے تھے۔ اس نے سوچا بابا حیدر تو کبھی لیٹ نہیں جاتا تھا۔ لیکن یہ کسے۔

عمر چپ ہو گیا۔ ڈراچور نے بات ہی ایسی کہہ دی تھی۔ وہ اسے انکار نہیں کر سکتا تھا۔
ڈراچور نے اس کی خاموشی کو مضامنی کہا اور ایک نژاد کی کوٹھی کے گیٹ کے نزدیک

کر ہارن دیا۔ ہارن کی آواز پر گیٹ میں کھلا جیسے اندر موجود شخص پہلے ہی سے ان کا منتظر ہوا۔ وہ جیسے
کاررواؤ سے اندر داخل ہوئی۔ گیٹ بند کر دیا گیا۔ عویر نے گردن تھما کر دروازہ بند دیکھا تو وہ گھبرا
گیا۔ اس سے پہلے کہ وہ ڈراچور سے کوئی انتظار کرتا۔ اس نے دیکھا سامنے برآمدے سے چار
بد معاشوں نے باہر نکل کر کار کو گھیر کر بیٹھ لیا ہے۔

اس کے ساتھ ہی کار کا دروازہ کھلا اور ان میں سے ایک نے عویر کو ہانڈ سے پکڑ کر باہر کھینچ
لیا۔ عویر نے ڈراچی مدافعت کی۔ پھر دروازہ شروع کر دیا۔ ابھی اس کی روٹنے کی آواز ہی نکلی تھی جب ایک
دوسرے بد معاش نے اس کے منہ پر رومال دھک دیا۔ یہ رومال بے ہوش کرنے والی دوا کو رو قادم میں
بیچا ہوا تھا۔ جیسے ہی عویر نے وہ تین سانس لیے اس کے حواس خطا ہونے لگے۔ پھر وہ اس آدمی کے
ہانڈوں میں جھول گیا۔

عویر بے ہوش ہو چکا تھا۔

☆☆☆

بابا حمید اسوج ہی رہا تھا کہ کیا کرے؟ کسی کو آواز دے یا نہ دے۔ جب باپا کس اس نے اپنی
پشت پر دروازہ کھٹکنے کی آواز سنی۔ اسی دروازے سے دوپ بھی اندر آنے لگی تھی۔ اس نے دیکھا
دروازے سے ایک ہٹا کتا شخص کسی بے ہوش بچے کو کندھے پر ڈالے اندر داخل ہو رہا ہے۔
بابا حمید انور کر رہ گیا۔

آنے والے کو جیسے اس بات کا احساس ہی نہیں تھا کہ کوئی اور بھی اندر موجود ہے۔

بابا حمید اٹھ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ آنے والے نے اسی چار پائی پر بیچے کو لٹا دیا بچے بے ہوش تھا۔
اس کی شکل پر نظر پڑے ہی بے اختیار بابا حمید کے منہ سے نکلا "چھوٹے صاحب۔"

آنے والے نے زوردار قہقہہ لگایا اور بولا "سنیا لو اپنے چھوٹے صاحب کو۔"

"یکو اس مت کرو۔" بابا حمید اٹھنے سے چاہا۔

اسے اب بخوبی اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ دونوں کسی خطرناک گروہ کے ہاتھ لگے ہیں اور ان
لوگوں نے دراصل یہ سارا بھیل عویر کو اغوا کرنے کے لیے چاہا تھا۔

"خانو! مجھے مار ڈالو! لیکن خدا کے لیے اسے کچھ نہ کہو۔ اس معصوم نے تمہارا کیا کیا کرنا ہے؟
کہ اس کا دل لائے ہو۔"

بابا حمید سے کی اس بات کا جواب دینے کی بجائے اسی شخص نے پھر زوردار قہقہہ لگایا۔

"مجھے میری بات کا جواب دو۔" بابا حمید اسے زور سے چلا کر اس کو کھانسی کا دروازہ پکڑ گیا۔

ابھی وہ کھانسی ہی رہا تھا جب اس نے خیر میں سے ایک اور نیر غم بد معاش کو چپے اترنے
دیکھا۔ جس نے ہاتھ میں ہسٹول پکڑا ہوا تھا۔

"میں دیکھتا ہوں تمہارے سوال کا جواب۔" اس نے ہسٹول والا ہاتھ ہراتے ہوئے کہا۔

"اسے باہر لے آؤ۔" اس نے اپنے ساتھی کو حکم دیا۔

"پہلے اسے بڑھ۔" اس کے ساتھی نے قہقہہ لگا کر بابا حمید کے ہانڈ کو پکڑ کر
زوردار جھٹکا دیا۔

"میں اپنے چھوٹے صاحب کو چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔" بابا حمید نے مدافعت کی۔

"خیر دار!....." خیر میں میں کھڑے بد معاش کی آواز میں چائے کیا چھپا تھا کہ بابا حمید اسے
کر رہ گیا۔

"تو کس کی زندگی چاہتے ہو تو چپ چاپ ہمارے حکامات پر عمل کرو۔" اس نے ہسٹول کی
تالی سے بے ہوش عویر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

بابا حمید چپ چاپ خیر میں کی طرف چل دیا۔ خیر میں کا خاتمہ ایک اور کمرے میں ہوا
تھا۔ جہاں پہلے ہی سے تین آدمی موجود تھے۔ تینوں شکل ہی چپے ہوئے بد معاش کھتے تھے۔

خیر میں اندازہ ہو گیا ہو گا کہ ہم لوگ کون ہیں۔ ہم کوئی شریف آدمی نہیں۔ یہی جنہیں اور
تمہارے چھوٹے صاحب کو سیر کروانے لائے ہیں۔ اگر تم بیٹھو گے بیٹے کی زندگی چاہتے ہو تو جیسے ہم
کہیں چپ چاپ دیے ہی کرتے جانا۔ ورنہ یاد رکھنا تمہاری تو جان چائے گی ہی۔ یہ بے چارہ بھی مفت
میں مارا جائے گا۔"

"مجھے کیا کرنا ہے؟" بابا نے بے چینی سے پوچھا۔

"ابھی سمجھا جائے گی۔" اس نے جواب دیا۔

پھر ساتھیوں کی طرف متوجہ ہوا۔ "جاؤ اسے رہا کرو۔"

تینوں اس کا حکم سن کر بابا کی طرف بڑھے۔ ایک نے بابا حمید کے دونوں ہاتھ پاؤں
پہلے ہی سے موجود چھوٹی سی رسی کے ذریعے پیچھے کی طرف باندھ دیے۔ دوسرے نے اس کی آنکھوں پر
سیاہ رنگ کی پٹی باندھ دی۔ بابا حمید نے لائبر کی چمن وچاں کے ان کے حکامات کی تعمیل کی اور
بالکل مدافعت نہیں کی۔ اسے یقین ہو چلا تھا کہ یہ لوگ صرف دھمکیاں دیتے والے ہی نہیں، بلکہ جو کچھ

کہتے ہیں وہ کر گزرنے کی اہلیت بھی رکھتے ہیں۔
 "بھری بات دھیان سے سنو۔" حمید نے کو اس شخص کی سرود آواز سنائی دی۔ "میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ اسے اپنے سینہ تک پہنچا دینا۔ اگر یہ خط تم نے کھول کر پڑھا تو سینہ دھڑکنے لگے۔ بجائے کسی اور کے ہاتھ میں دیا تو یاد رکھنا، اس کا انہماک بڑا ہی تک ہو گا۔" اسی کے ساتھ ہی اس نے ہاتھ حمید سے کی جیب میں پہلے سے تیار شدہ خط ڈال دیا۔
 "لے جاؤ اسے۔" اس نے زوردار قہقہہ لگا کر اپنے ساتھیوں کو گھم دیا۔
 ☆ ☆ ☆

ہاتھ حمید کے بازو پکڑ کر ایک شخص اسے باہر لے آیا اور اسے پہلے سے موجود ایک کمرے میں بٹھا دیا۔ ہاتھ حمید کے پیچھے ہی دیواریں ٹھٹھکی ہو کر چل دیں۔ اسے احساس ہوا کہ اس میں پہلے سے کچھ لوگ موجود ہیں۔ لیکن کسی نے دوسرے کے ساتھ بات تک نہ کی تھی۔
 وہ لوگ ہاتھ حمید سے کو قریب آدھ گھنٹہ تک مختلف سڑکوں پر گھماتے رہے۔ ہاتھ حمید سارے کچھ اندازہ نہ تھا کہ وہ کہاں ہے اور یہ لوگ کہاں جا رہے ہیں اس کے بعد وہیں رک گئی اور کسی نے اس کے ہاتھ بھی کھول دیئے۔ پھر اس کی آنکھوں سے پانی بھی کھول دی۔ اس کے ساتھ ہی اٹھارہ سترہ ہزار روپے کا نوٹ اس کے ہاتھ میں آ گیا۔
 دھکا دے کر وہیں سے نچے چھینک دیا۔

آنکھوں پر مسلسل پانی بہہ رہے تھے۔ ہاتھ حمید کی آنکھیں دیکھنے لگی تھیں۔ جلدی اور تارل ہو گیا۔ شام ڈھل رہی تھی۔ سب سے پہلے اس نے اپنی جیب کو ٹٹول کر دیکھا۔ لٹافہ موجود تھا اس نے اندازہ لگایا کہ وہ کالونی کے نزدیک ہی ایک ویران سڑک پر کھڑا ہے۔
 وہ پیدل ہی گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ قریب پندرہ بیس منٹ بعد وہ گھر پہنچ گیا۔ گیٹ پر موجود چوکیدار اس کی شکل پر نظر پڑتے ہی ہماگ کر اندر چلا گیا۔ غالباً وہ سینٹھ صاحب کو اس کی آمد کی اطلاع دیتے کیا تھا۔

پریشان حال سینٹھ ہاتھ حمید کی آمد کی خبر سن کر تیزی سے اپنے کمرے سے باہر نکل آئے۔ لیکن ہاتھ حمید کے کوا کیلادیکہ کر وہ گھبرا گئے۔
 "اچھا خیر! ان کے منہ سے بجا اختیار نکلا۔"
 "سینٹھ صاحب! اپنے مالک کی شکل پر نظر پڑتے ہی ہاتھ حمید کی آنکھیں پھٹک چکی ہیں۔"

لیکن اس نے خود دسمبھلا۔
 تھوڑی دیر بعد وہ سینٹھ صاحب کے کمرے میں بیٹھا ان کو پیش آنے والے واقعات سے آگاہ

کر رہا تھا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ خود سینٹھ صاحب کا برا حال تھا۔ ان کی نگاہ کو وحشی کے دور سے پڑ رہے تھے۔ جیسے ہی اپنی کہانی فتح کر کے اپنے سینٹھ صاحب کو وہ اطلاع کھل کر دیا جو عورت کو خواہ کر لے والوں نے ان کے لیے کھینچا تھا۔ انہوں نے سہ گئی سے اتفاق چاک کر کے اس میں سے خط نکال لیا۔ اس پر گھسٹا۔
 "سینٹھ صاحب!

آپ بہت مال دار سہمی ہیں، بلکہ یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ اس ملک کے امیر ترین لوگوں میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ عموماً آپ کا ٹھکانا بیٹا ہے، اور ظاہر ہے آپ کو اس سے بہت محنت ہوگی۔ پھر تو آپ اپنے بیٹے کے لیے جان بھی دے سکتے ہیں کیونکہ لاد سے زیادہ بڑی شے اس دنیا میں اور کیا ہے۔ مگر ہمیں آپ کی جان کی فکر آپ کے مال کی ضرورت ہے۔ اگر آپ کو اپنے بیٹے کی زندگی عزیز ہے تو فوراً پچاس لاکھ کا بندوبست کر لیجیے۔ یہ آپ کے لیے بہت معمولی رقم ہے۔ لیکن 50 لاکھ روپے ہمیں ملنے پر آپ کو آپ کا بیٹا مل جائے گا۔
 دوسری صورت میں آپ کے بیٹے کو ہم مار ڈالیں گے اور آپ اس کے ٹم میں مر جائیں گے۔
 ہمیں امید ہے آپ کو یہ منظور نہیں ہوگا۔

اور ہاں سینٹھ صاحب!

ایک بات کا خاص خیال رہے کہ اس واقعے کی ہوا کسی کو نہیں چنی چاہیے۔ اگر یہ خبر آپ کے گھر سے باہر نکلے تو یاد رکھیے ہم عورت کو مار ڈالیں گے۔ زیادہ چالاکی دکھانے کی کوشش بھی نہ کیجیے گا۔ خاص طور سے پولیس سے ہوشیار رہیں۔ ہم جلد ہی آپ سے رابطہ کریں گے۔ آپ کل شام تک 50 لاکھ روپے کے کرنسی نوٹ سوسو کے نوٹوں کی شکل میں ایک بریف کیس میں جمع کر لیجیے۔ رقم دینے کا طریقہ بھی آپ کو بتا دیا جائے گا۔

یاد رکھیے! ہم سے تعاون میں آپ کی خیریت ہے اور پولیس سے تعاون میں آپ کے بیٹے کی جان بھی جاسکتی ہے۔

فقط۔ آپ کے خیر خواہ!"

سینٹھ صاحب جوں جوں خط پڑھتے جا رہے تھے ان کے چہرے کا رنگ دھلا پڑتا جا رہا تھا۔ ان کے ماتھے پر پسینے کی ہندیں نمودار ہونے لگی تھیں۔ وہ تو پہلے ہی دل کے مرنے لپٹے تھے۔ خط کے خاتمے پر وہ اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر صوفے پر ڈھیر ہو گئے۔ ہاتھ حمید کی تو جان ہی نکل گئی۔ اس کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کیا کرے کدھر جائے وہ گھبرا کر کمرے سے باہر نکل آیا تاکہ

بہارِ ہند

جس وقت بابا جی داس گھبراہٹ کے عالم میں کمرے سے باہر نکل رہا تھا، اچانک اس کی حالت میں کافی دلوں کے بعد غصے آئی جی پولیس مسٹر آفریدی کمرے میں داخل ہوئے۔ وہ آج اپنے دوست سے گاڑی انہوں نے برآمدے کے سامنے پارک کر دی۔ پتہ کیا دارائیں اچھی طرح دیکھا تھا۔ ان کا آہٹا تھا توڑی دیر پہلے ہی ان کی دیکھ نے انہیں مطلع کیا تھا کہ مسٹر سیٹھ رمضان نے اطلاع دی ہے کہ عویرا بھی تک گھر واپس نہیں آیا۔

بابا جی حید سے نے جب انہیں دیکھا تو اس کے ہاتھ پاؤں اور زانو پھول گئے۔ اس نے گھبراہٹ میں کچھ کہتا چاہا لیکن زبان نے گویا ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔ آفریدی صاحب سیدھی سی فون اٹھا لیا اور ڈاکٹر کو فوراً ہاں پہنچنے کی ہدایت کر کے سیٹھ رمضان کے نزدیک آگئے۔

اب وہ بابا جی حید سے کے ساتھ مل کر سیٹھ صاحب کو ہوش میں لانے کی کوشش کر رہے تھے۔ اسی اثنا میں ان کی نظر سیٹھ صاحب کے نزدیک پڑے خط پر پڑ چکی تھی۔ اس سے پہلے کہ بابا جی داس خط کو غائب کرتا انہوں نے خط اٹھا لیا اور پڑھنا شروع کر دیا۔ اب انہیں تمام معاملے کی سمجھ آگئی تھی۔ بابا جی حید سے کا تو رنگ ہی فق ہو گیا۔

خط پڑھ کر انہوں نے بابا جی حید سے کی طرف دیکھے بغیر خط کو تہہ کر کے جیب میں رکھ لیا۔ ڈاکٹر آگیا تھا اس کی کوششوں سے جلد ہی سیٹھ رمضان کو ہوش آگیا ڈاکٹر نے انہیں ایک انجکشن لگا دیا۔ کچھ دوا انیال دے کر چلا گیا۔ ڈاکٹر کے رخصت ہوتے ہی سیٹھ صاحب کو خط کی فکر دامن گیر ہوئی۔ انہوں نے بے قراری سے ادھر ادھر نظریں دوڑائیں۔

”گھبراؤ نہیں۔ خط میرے پاس ہے۔“ اتنا کہہ کر آئی جی صاحب نے خط اپنی جیب سے نکال کر سیٹھ رمضان کو دے دیا۔

”اے میرے خدا! اگر ان لوگوں کو علم ہوا کہ میں نے اس خط کی ہوا بھی تمہیں بتائی ہے تو میرے پیچھے کو۔“ اس سے آگے سیٹھ صاحب کچھ نہ کہہ سکے۔

”حوصلہ کرو سیٹھ رمضان اچھے احساس ہے کہ تم کسی مشکل میں گرفتار ہو چکے ہو۔ لیکن

برج کی بات

بات کو مت بھولو کہ میں صرف پولیس آفیسری نہیں، تمہارا بچپن کا دوست بھی ہوں اور تمہارا بھرا بھی چاہتا ہے۔“

”لیکن آفریدی یہ سب شرطیں کون معلوم ہوتے ہیں۔“

”مجھے بھی علم ہے۔ اس خط سے اندازہ ہوتا ہے۔ بہت بار دینے سے بات نہیں بنے گی۔“ انہوں نے کہا۔

”آفریدی! میں کوئی غصہ مول لینا نہیں چاہتا۔ میں ان لوگوں کو رقم دینے کے لیے تیار ہوں۔ خدا کے لیے تم اس معاملے میں نہ آنا۔“ انہوں نے گھبراہٹ کا اظہار کیا۔

”رمضان! ذرا غلطی سے دل سے سوچو! کیا بھرموں کی بات مان لینا ہی ممکنہ کامل ہے۔ پھر اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ رقم لینے کے بعد بھی وہ لوگ عویرا کو ہار کر رہ گئے ہوں۔“ آفریدی صاحب نے کہا۔

ایک لمحے کے لیے پھر سیٹھ رمضان کو زمین اپنے پاؤں تلے سے سر کی محسوس ہوئی۔ ”حوصلہ رکھو! تم بھی سمجھو کہ میں نے یہ خط دیکھا ہی نہیں اور تم دونوں کے سوا کسی کو اس واقعے کا علم ہی نہیں ہے۔ اگر کوئی عویرا کے متعلق در پلاٹ بھی کرے تو اسے سبکی کھو کر تم نے اسے کسی حریز کے ہاں سمجھ دیا ہے۔ سب سے پہلے کام یہی کرنا کہ اس کے سکول رخصت کی درخواست بھیج دو۔“

آفریدی صاحب نے انہیں ہدایات دینا شروع کیں۔ پھر وہ بابا جی حید سے سے کرید کرید کر واقعات در یافت کرتے رہے۔ بھرموں کے طے جو بابا جی حید سے نے بیان کیے تھے انہوں نے وہیں کا قلم منگوا کر نوٹ کیے۔ پھر وہ سیٹھ صاحب کو ٹیبلٹ کی میں کچھ باتیں سمجھاتے رہے۔ انہوں نے بابا جی حید سے کو بھی نصیحت کی تھی کہ وہ کسی کو بھی ان واقعات کی ہوا نہ لگنے دے۔ انہوں نے سیٹھ صاحب سے کہا کہ وہ اپنی بیگم کو اعتماد میں لے کر یہ سب کچھ بتا دیں لیکن انہیں بھی سمجھا دیں کہ وہ کسی سے بات نہ کریں۔ پھر کچھ سوچی کر انہوں نے خود ہی مسٹر رمضان سے بھی بات کر لی۔ وہ بڑی حوصلے والی خاتون تھیں۔ انہوں نے جنس سے آفریدی صاحب کی باتیں سنیں اور انہیں مکمل تعاون کا یقین دلایا۔

آفریدی صاحب نے ان حالات میں زانو پھول دیر تک رکنا مناسب نہ جانا اور رخصت ہونے سے پہلے انہیں پھر یہی کہا کہ وہ اس بات کو بھول جائیں کہ آفریدی صاحب کو واقعات کا علم ہو چکا ہے۔ اپنے دوست کو حوصلہ دے کر وہ باہر نکل آئے۔ ان کی گاڑی کپتھن ملی کے گھر کی طرف جاری تھی۔



سے کوئی زندگی کام نکال لیتا۔ بسا اوقات تو کچھ بلی بھی اس کے دوستوں سے ملتا تو وہ بلی بڑھتا تھا کیونکہ یہ لوگ بڑے مشکل حالات میں بھی ان کے لیے آسانی کی راہ نکال دیتے۔ ان کے دوستوں کو علم ہوتا تھا کہ وہ کسی کی مدد کر رہے ہیں اور اسی کو وہ مامورین کی خدمت سے دور کرتے تھے۔

کچھ بلی نے اپنے بعض غریب لڑکھانے مار کئے تھے جن کا علم ان دونوں کے علاوہ کسی اور کو نہیں تھا، یا پھر ان کے گھر سے سربراہی پالتے تھے کہ ان کے لڑکھانے کہاں کہاں ہیں۔ بلی اور عامر کو کئی دفعہ جن کی نظروں سے اور کئی مرتبہ انہوں کی نظروں سے چھپ کر بھی کام کرنا پڑا تھا۔ ایسے مواقع پر بھی لڑکھانے ان کے استعمال میں رہتے تھے۔ ان لڑکھانوں پر ضروریات زندگی کے استعمال کی سب چیزیں اور دواؤں وغیرہ موجود رہتے تھے تاکہ ضرورت کے وقت وہ کسی سے بھی رابطہ قائم کر سکیں۔

ان غریب مقامات کی نگرانی کا کام وہ اپنے "خفیہ دوستوں" سے لیا کرتے تھے جو مختلف سوانح رچا کر یہاں موجود رہتے۔ مثلاً کوئی کسی لڑکھانے پر اگر تجوی کے روپ میں قیام پزیر ہو تو دوسرے کسی لڑکھانے پر کوئی شعبہ ہائے زندگی گزار رہا ہے۔ غرض کسی نہ کسی جیس میں ان کے یہ غریب ساتھی ان لڑکھانوں کی حفاظت پر مامور رہتے تھے۔ اس طرح ایک تو نگرانی کا کام جاری رہتا اور دوسری طرف کسی کو شک بھی نہیں ہوتا کیونکہ یہ لوگ عام شہریوں کی طرح زندگی بسر کرتے تھے۔

کچھ بلی کا طریقہ کار دوسرے لوگوں سے قدرے مختلف تھا۔ وہ جب تک مجرم کی گردن پر ہاتھ نہ ڈال لیتا، اپنے آپ کو سامنے نہیں لاتا تھا اور خود کو اس وقت ظاہر کرتا جب سے یقین ہو جاتا کہ اب مجرم بچ کر نہیں جاسکتے۔ اس کے اسی طریق کار کی بناء پر گھرے میں بھی اس کی مخالفت ہوتی رہتی تھی، لیکن اس کے مخالف اس لیے کبھی کامیاب نہ ہوتے کہ کچھ بلی بھی ناکام نہیں ہوتا تھا۔ اس کی کامیابی کی وجہ سے کسی کو مکمل کر اس کی مخالفت کرنے کی جرأت نہ ہوتی۔ بلکہ کئی ایسے لوگ جو پہلے اس طریق کار کی وجہ سے اس کے مخالف تھے، اب اس کے موافق ہونے لگے تھے۔

ان کے تیسرے ساتھی کا نام ٹیپا تھا۔

ٹیپا نوعمر تھا۔ بچپن میں یتیم ہو گیا۔ اس کی پرورش کچھ بلی نے کی۔ ایک تو کچھ بلی کی تربیت، پھر اس کی خدا داد صلاحیتیں۔ ٹیپا کو کچھ کر کوئی یقین نہیں کر سکتا تھا کہ اس عمر کا بچہ ایسے ایسے خطرناک کام بھی کر سکتا ہے۔ کہنے کو تو وہ بچہ تھا لیکن اس کے کارنامے بڑے بڑوں کو حیرت میں ڈال دیتے تھے کچھ بلی نے اسے کم عمری ہی سے مارشل آرٹس سکھانے شروع کر دیے تھے۔ عامر کی طرح کچھ بلی کے لیے ٹیپا بھی قابلِ فخر تھا۔

عامر کام بہت میں کچھ بلی کے ساتھ ہوتا۔ وہ اس کا قابلِ شکر تھا۔ کچھ بلی نے بلی بڑھتی تھی کہ بہت سے گرسلا کر کھاتے تھے۔ یہ انتہائی خطرناک اور غریب قسم کے جانور تھے بلی نے بلیاں میں "پاٹیا" سے لیتا تھا۔ "پاٹیا" مارشل آرٹس کا نام ہوتا تھا اور تاجا میں اس کے پاس پتھر مارا کرتے تھے جن میں بلی بھی شامل تھا۔ پاٹیا کا کوئی آرٹ وراثت میں ملا تھا۔ اس کے پاس مارشل آرٹس کے ہاتھ میں شامل رہے تھے۔

ان دونوں پاٹیا کچھ بلیاں کے ایک دور افتادہ جزیرے میں گوشہ نشینی کی ہی حالت میں تھا۔ بلی نے اس کی بہت خدمت کی۔ جس کے بدلے میں پاٹیا نے اسے وہ اہم دواؤں بھی سکھائی تھیں جن سے اس کے مددگاروں سے وابستہ تھا۔ اس طرح بلی کا شمار ان لوگوں میں ہوتا تھا جو مارشل آرٹس کے لیے لڑکھانے پالتے تھے۔ گو کہ اس دوا پر مامور حاصل کرنے کے لیے کچھ بلی کو جان تو دینا پڑتی تھی لیکن اس کا استدارات گھرے کے موسم میں اسے خفہ سے پانی میں تیرنے پر مجبور کرتا۔ پھر تیرنے میں عامر اس دوا کو لے کر آتا لیکن محنت اور ریاضت کے بغیر دنیا میں کسی کو کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ پاٹیا نے دیکھا کہ اس کا بونہار مارگر داس کے معیار پر پارا تر رہا ہے تو اس نے ایک روز تمنا کی کہ اسے اپنے اس مددگار کی راز سے آگاہ کر دیا۔ اس دوا کا نام "ٹی چن پاؤ" تھا۔

جس کسی کو یہ دوا دیا تو وہ نہتا ہونے کے باوجود گولیوں کی بوچھاڑ سے محفوظ رہتا تھا۔ پاٹیا نے یہ دوا صرف بلی کو سکھایا تھا جس کی وجہ سے اس کے دوسرے شاگرد بلی اور پاٹیا کے دشمن بن گئے۔ اس دوا کے بدلے پاٹیا نے چارے استاد پاٹیا کو اپنی جان سے بھی ہاتھ دھوئے تھے۔ اس کے ایک حاسد نے پاٹیا کو لڑکھانے میں زہر مار کر دے دیا جس سے اس کی موت واقع ہو گئی۔ ان لوگوں نے کچھ بلی کو بھی جان سے مارنے کی کوشش کی تھی لیکن وہ محفوظ رہا اور اپنے ملک پہنچ گیا۔

بلی اور عامر دونوں مجرموں کی آگھوں میں کانٹنے کی طرح کھٹکتے تھے۔ ان پر محفوظ رہا اور بلی بھی بچے تھے مگر اپنی چالاکائی، ہوشیاری اور خوش قسمتی کی وجہ سے وہ اب تک محفوظ چلے آ رہے تھے چونکہ یہ لوگ بڑائی کے خلاف نبرد آزما تھے اس لیے اللہ تعالیٰ بھی ان کی مدد کرتے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی اپنی کو پکڑ فرماتے ہیں۔

عامر چونکہ بہادر ہونے کے ساتھ بڑا فاضل کچھ بھی تھا اس لیے اکثر لوگ اس کی دوستی کے حق میں تھے۔ مگر بدقسمت کی، بلی کام کا فائدہ اور پھر اس کی نوکری کے اصول آڑے آتے۔ اس لیے صرف چند لوگوں سے ہی تعلقات قائم کر سکتا تھا لیکن عامر کے جتنے بھی دوست تھے وہ سب ہی اپنی اپنی حالت میں حالِ صحت کے موافق ملا جلتوں کے مالک تھے۔ اکثر یوں ہوتا کہ وہ اپنی مہمات کے دوران

"جی ہاں" مامرنے لگا ہر چلنے کے الفاظ میں کہا۔ "ہر جگہ ہی مارا ہے جہاں۔"
اس کی بات پر آئی صاحب کے ہونٹوں پر چٹا حیرت انگیز مسکراہٹ نکلی گئی۔

چاروں رات گئے تھے کب کب کے مختلف پہلوؤں پر بات کرتے رہے۔ پھر آئی صاحب چلے گئے۔ مسٹر آفریدی کی روانگی کے فوری بعد کینٹین علی نے علی فون کے ڈائریکٹر کا قہر کیا۔ اس وقت رات کے قریب 11 بج رہے تھے۔ ڈائریکٹر صاحب اس کے دوستوں میں شمار ہوتے تھے اور انہوں نے علی کے لیے اسٹرکچر کام کیے تھے۔ کینٹین علی نے انہیں مختصر صورت حال بتا کر ان سے درخواست کی کہ وہ افواہ ہونے والے چاروں بچوں کے گھروں کے لیٹی فون نمبر پر ہونے والی گفتگو کو ٹیپ کر کے کارڈ بکسٹ کر دیا۔

اس طرح علی یہ چاہتا تھا کہ وہ افواہ کرنے والوں اور بچوں کے گواہین کے درمیان ہونے والی گفتگو سے باخبر رہ سکے کیونکہ جس نوعیت کی دھمکیاں ان لوگوں کو ملی تھیں اس کے بعد ان سے یہ امید رکھنا قلہ تھا کہ وہ لوگ مجرموں کو راضی کر کے پولیس سے تعاون کریں گے۔

کینٹین علی نے ایسا انتظام کر لیا تھا کہ ان لوگوں کے ساتھ ہونے والی گفتگو کے فوری بعد اس کی تصدیقات اسے مل سکتی تھیں۔ اس کام کے لیے اس نے اپنے حلقہ خفیہ کے دو آدمیوں کو لیٹی فون آپریٹروں کے روپ میں وہاں روانہ کر دیا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ جیسے کے لوگوں کو بھی کسی بات کی کانوں کان خبر ہو۔

گفتگو ختم کر کے اس نے لیٹی فون رکھا ہی تھا جب مامر کو باہر نکلی سو بھیجی۔

"خاطر ہے رات کے بارہ بجے سونے ہی جاؤں گا۔ اس وقت کنوین میں چھانگ لگانے یا سڑکوں پر مزاحمت کرنے سے قور ہا۔" اس نے جوابی لیتے ہوئے کہا۔

میرے خیال میں فی الوقت آپ سوئے کا پروگرام ملتوی ہی کر دیں۔" علی نے کہا۔

"جی نہیں! میرے لیے یہ ممکن نہیں۔ اللہ نے رات سونے اور دن جاگنے کے لیے بنایا ہے۔" مامرنے لگا ہر براسا نہ بنا کر کہا۔

"تمہیک ہے پانی موجود ہے۔ اگر تم بستر پر نہانا چاہتے ہو تو تمہاری مرضی!" کینٹین علی نے اس کی طرف دیکھ کر بغیر دل ہی دل میں مسکراتے ہوئے کہا۔

"کمال ہے آپ ایک اصولی بات کو غلط قرار دینے پر تھے ہوتے ہیں۔" مامرنے چاہا کہ کمرے سے باہر لکل جائے لیکن کینٹین علی نے اس کی گردن پر ہاتھ رکھ کر اس کا رخ اپنی طرف موڑتے ہوئے کہا۔

نہ ہمارے چلے گئے۔ ان کا مامری لکھنا نہ دارالحکومت کے نزدیک دروازوں کی منجلیت سے کیا مچا رہے تھے۔ کسی گواہ کی اصلیت کا طرم و قیاس کی ذمہ داری تھی۔ یہ لوگ بھی ان میں کیا تھا کیونکہ برائو کات دشمن اپنے آدمیوں کو بھی ان کے خلاف استعمال کر لیا کرتا تھا۔ اس آبادی میں ان کی رہائش کے حلقوں ان کے جیسے کے سربراہ یا ملک کی اہم شخصیات کو ہی طم۔ غور ان کے مانتے بھی نہیں جانتے تھے کہ کینٹین علی کہاں رہتے ہیں۔

آئی صاحب جانتے تھے کہ علی ان واقعات سے واقف نہیں ہو سکتا۔ یہ بھی ممکن تھا کہ اس نے اس میں کچھ خوش رفت بھی کر لی ہے۔

خط ان لوگوں کے سامنے رکھا تھا۔ خط پاپ کیا تھا اور یہی اس بات کا ثبوت تھا کہ طرم بہت ہوشیار ہیں۔ وہ کوئی بھی ثبوت ان لوگوں کے لیے چھوٹا نہیں چاہتے تھے۔

"الف میرے خدا یا! صبح کے اخبارات تو سارے شہر میں کھرا مچا دیں گے۔ لوگ تو پہلے ہی پولیس سے بہت تالاں ہیں۔" آئی صاحب نے اپنی تشویش ظاہر کی۔

"تمہیک ہے لیکن یہ بھی تو مناسب نہیں کہ اخبارات کو اس خبر کی اشاعت سے روک دیا جائے۔ کیونکہ اس طرح تو افواہیں اور زیادہ پھیلیں گی اور لوگ اور زیادہ پریشان ہوں گے۔" کینٹین علی نے کہا۔

"تم بالکل درست کہتے ہو علی! اور کوئی خاص بات بھی سمجھ میں آتی ہے؟" آئی جی نے پوچھا۔

"سوائے اس کے اور کوئی بات نہیں کہ افواہ ہونے والے چاروں بچے کروڑ پتی والدین کے ہیں اور چاروں اپنے والدین کی اکلوتی اولاد ہیں۔ مجرموں نے بہت منصوبہ بندی کے بعد ایسے بچے نشان کیے ہیں۔ وہ والدین کی کمزوری سے فوری فائدہ اٹھانا چاہتے ہوں گے۔" مامر قریب سے ہوا۔

"میرے خیال سے انگل ایک اور بات بھی ہے۔" ٹیپ نے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا۔

"کیا بیٹے؟"

"مذموں کا کوئی ساتھی ان سکولوں میں بھی موجود ہے جس نے انہیں نہ صرف بچوں کے کھیل کے بلکہ ان کے معمولات سے بھی آگاہ کیا ہے۔"

"خدا ہاں" مسٹر آفریدی بولے۔ "بھی کینٹین علی تمہارا یہ شاگرد ضرور نام بیٹا کرے گا۔"

علی، عمار اور نیچے تینوں ایک ہی کمرہ تھے۔ ان کا ماضی فاضل اور دلکش کمرہ کثرت کے نزدیک ایک انتہائی اہم مقام پر تھا۔ اس علاقے میں ملک کی سترہ ہستیاں نظام پنے چھیں۔ یہ لوگ بھی ان میں تاجروں کی حیثیت سے قیام پنے کرتے۔ کسی کو ان کی اصلیت کا علم نہ تھا۔ ان کی ذمہ داریوں کو پختہ دیکھا تھا کیونکہ رسالوں کے ذریعہ ان کی رہائش کے متعلق ان کے گھر کے سربراہ یا پھر ملک کی اہم شخصیات کو ہی علم تھا۔ خود ان کے باقیات بھی نہیں جانتے تھے کہ کون کون علی کہاں رہتے ہیں۔

آئی بی صاحب جانتے تھے کہ علی ان واقعات سے واقف نہیں ہو سکتا۔ یہ بھی ممکن تھا کہ اس نے اس میں کچھ فوش رفت بھی کر لی ہے۔

خدا ان لوگوں کے سامنے رکھا تھا۔ خدا ناپ کیا گیا تھا اور یہی اس بات کا ثبوت تھا کہ ظرم بہت ہوشیار ہیں۔ وہ کوئی بھی ثبوت ان لوگوں کے لیے چھوڑ نہیں چاہتے تھے۔

پولیس سے بہت باتاں ہیں۔ "آئی بی صاحب نے اپنی آتش لیل ظاہر کی۔

"فحیک ہے لیکن یہ بھی تو مناسب نہیں کہ اخبارات کو اس خبر کی اشاعت سے روک دیا جائے، کیونکہ اس طرح تو افواہیں اور زیادہ پھیلنے کی اور لوگ اور زیادہ پریشان ہوں گے۔" کیونکہ علی نے کہا۔

"تم بالکل درست کہتے ہو علی اور کوئی خاص بات بھی سمجھ میں آتی ہے؟" آئی بی نے پوچھا۔

"سوائے اس کے اور کوئی بات نہیں کہ افواہ ہونے والے چاروں بچے کوڑھ چھا والدین کے ہیں اور چاروں اپنے والدین کی اکلوتی اولاد ہیں۔ بھروسوں نے بہت منصوبہ بندی کے بعد ایسے بچے تلاش کیے ہیں۔ وہ والدین کی کمزوری سے فوری فائدہ اٹھانا چاہتے ہوں گے۔" عمار قریب سے لڑا۔

"میرے خیال سے بالکل ایک اور بات بھی ہے۔" نیچے نے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا۔

"کیا بیٹے؟"

"مظرموں کا کوئی ساتھی ان سکولوں میں بھی موجود ہے جس نے انہیں نہ صرف بچوں کے گھانٹ مہیا کیے بلکہ ان کے معمولات سے بھی آگاہ کیا ہے۔"

"یہاں؟" مسٹر آفریدی بولے۔ "بہن کیونین علی تمہارا شاگرد ضرور نامیدہ کرے گا۔"

"یہاں؟" عمار نے غبار چلے کے الفاظ میں کہا۔ "بہن کیونین علی؟"

اس کی بات پر آئی بی صاحب کے ہاتھوں پر بے اختیار مسکراہٹ چلی گئی۔

چاروں رات گئے تک کسی کے ٹھٹھ کیلواں پر بات کرتے رہے۔ پھر آئی بی صاحب چلے گئے۔ مسٹر آفریدی کی روانگی کے فوراً ہی بعد کیونین علی نے علی کو ایک کڑا کھیر لیا۔ اس وقت رات کے قریب 11 بج رہے تھے۔ ڈاکٹر صاحب اس کے دھڑکنے میں شام ہو گئے تھے اور انہیں نے علی کے لیے کھانا کام کیا تھا۔ کیونین علی نے انہیں مختصر صورت حال بتا کر ان سے درخواست کی کہ وہ افواہ ہونے والے چاروں بچوں کے گھروں کے لیے فون نمبر پر ہونے والی گفتگو کو ٹیپ کرنے کا بندوبست کریں۔

اس طرح علی یہ چاہتا تھا کہ وہ افواہ کرنے والوں اور بچوں کے لواحقین کے درمیان ہونے والی گفتگو سے باخبر ہو سکے کیونکہ جس نوعیت کی دھمکیاں ان لوگوں کو ملی تھیں اس کے بعد ان سے یہ امید رکھنا فاضل تھا کہ وہ لوگ بھروسوں کو راض کر کے پھنس سکتے تھے۔

کیونین علی نے ایسا انتظام کر لیا تھا کہ ان لوگوں کے ساتھ ہونے والی گفتگو کے فوراً ہی بعد اس کی حقیقات اسے مل سکتی تھیں۔ اس کام کے لیے اس نے اپنے منکر ختیہ کے دو آدمیوں کو علی فون آپریٹروں کے روپ میں وہاں روانہ کر دیا تھا۔ وہ جیس چاہتا تھا کہ گھر کے لوگوں کو کبھی کسی بات کی کانوں کان خبر ہو۔

گفتگو ختم کر کے اس نے علی فون رکھا ہی تھا جب عمار کو باہر نکلنے کی سوجھی۔

"ظاہر ہے رات کے بارہ بجے سوئے ہی جاؤں گا۔ اس وقت کنوئیں میں چھانگ لگانے یا سڑکوں پر مزگشت کرنے سے قور رہا۔" اس نے بھائی لیتے ہوئے کہا۔

میرے خیال میں فی الوقت آپ سوئے گا پر اگر اہم ہوتی ہی کرو ہیں۔" علی نے کہا۔

"بی نہیں امیرے لیے یہ ممکن نہیں۔ اللہ نے رات سوئے اور دن جاگنے کے لیے بنایا ہے۔" عمار نے ظاہر براسا منہ بنا کر کہا۔

"فحیک ہے، پانی موجود ہے۔ اگر تم بستر پر نہانا چاہتے ہو تو تمہاری مرضی؟" کیونین علی نے اس کی طرف دیکھے بغیر دل ہی دل میں مسکراتے ہوئے کہا۔

"کمال ہے آپ ایک اصولی بات کو فاضل قرار دیتے ہوئے ہیں۔" عمار نے چاہا کہ کمرے سے باہر نکل جائے لیکن کیونین علی نے اس کی گردن پر ہاتھ رکھ کر اس کا رخ اپنی طرف موڑتے ہوئے کہا۔

"اکی وقت سینہ رمضان کی کوٹھی کی طرف رواں ہو چکا۔ بھروسوں کے لیے سب سے سوئی آسانی دہی ہے اور وہ اس سے عاجز نہیں ہوں گے۔ ضرور کوئی نہ کوئی ان کے گھر کی گرائی کر رہا ہوگا۔"

"ٹھیک ہے۔" عمار نے چلنے کے لیے پیش کیا اور ہنستا ہوا ہارٹکل گیا۔

علی چار تھا کہ عمار معمول کے مطابق صرف اداکاری کر رہا ہے، درحکام سے جی جانتا تو اس نے سیکھا ہی نہیں تھا۔

عمار نے اپنی کار سینہ رمضان کی کوٹھی سے کچھ فاصلے پر پارک کی تھی اور اب پیدل ہی اس طرف جا رہا تھا۔ یہ اس شہر کا بہت بڑا رات علاقہ تھا لیکن اس میں دور دور تک کوئی آدمی ہوش دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ کبھی کبھی کسی کوٹے سے کسی چوکیدار کی آواز ضرور سنائی دے جاتی تھی۔ عمار سب کی نظروں سے بچا کر سینہ رمضان کی کوٹھی تک آ گیا تھا۔

سینہ صاحب کی خوب صورت کوٹھی اندر سے میں ڈوبی ہوئی تھی۔ برآمدے میں صرف ایک بلب روشن تھا۔ عمار نے کچھ فاصلے پر پارک کر صورت حال کا جائزہ لیا۔ پھر وہ دے پاؤں چلتا کوٹھی کے دروازے تک آ گیا۔ اندر اور نظرس دور ڈالنے پر جب اسے کوئی دکھائی نہ دیا تو عمار نے کوٹھی کے باہر خوب صورتی کے لیے بنائے گئے باغیچے میں چھپ کر بیٹھنے کا فیصلہ کر لیا۔ باغیچے میں کھینے سفیدے کے درختوں کے چھپنے اس نے خود کو دروازے کی طرف آنے والوں کی نظروں سے محفوظ رہنے کے لیے چھپا لیا اور اپنی نظرس سامنے سڑک پر گاڑ دیں۔

ابھی عمار کو وہاں بیٹھے بیٹھے مشکل دو تین منٹ ہی گزرے تھے کہ جب اس کی چھٹی حس نے اسے باغیچے سے ملحق کوٹھی کی بیرونی دیوار کے اندر کسی کے حرکت ہونے کی اطلاع دی۔ عمار غلط ہو کر بیٹھ رہا، اپنی نظرس کوٹھی کی دیوار کے ساتھ باہر کوٹھی تیل پر جہاز کھی تھیں۔ جب اسے تیل پٹی دکھائی دی۔ شاید کوئی اس طرف سے دیوار کے ذریعے باہر آنے کی کوشش کر رہا تھا۔

عمار سنبھل کر بیٹھ گیا۔

دوسرے ہی لمحوں نے ایک سائے کو کپاؤ ڈی دیوار چھلانگ کر باغیچے میں چھلانگ لگاتے دیکھا۔ سایہ بچے ہوئے پھل کی طرح اس کے قریب ہی گر ا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ اٹھ کر کھڑا ہو، عمار نے اپنا ہاتھ آگے نکالا اور ایک زوردار ضرب اس کی گتلی پر لگادی۔ سائے کے لیے اس کا ایک ہی ہاتھ کافی تھا۔ وہ غصے سے اٹھی ہی جگ نکال کر بے ہوش ہو گیا۔ عمار نے پھرتی سے اسے باغیچے میں ہار کے لہجہ تک سمجھ لیا۔ اب اس پر کوئی نظر نہیں پڑ سکتی تھی۔

عمار جگ کٹا ہو کر بیٹھ رہا۔ اسے امید تھی کہ اس کا شاید کوئی ساتھی بھی یہاں موجود ہوگا۔ پھر وہ

جس منٹ تک وہ اسی پوزیشن میں بیٹھا رہا لیکن کوٹھی کے اندر باہر سب کوئی حرکت نہ ہوئی تو اس نے اپنے "کلار" کو کندھے پر اٹھایا اور سڑک کے کنارے گھر کے دروازے کی لاکٹ میں چنایا کا رنگ آگیا۔ جس طرح اس نے اپنے کلار پر ضرب لگائی تھی، اسے یہی سہاگہی تھی کہ ایک کلار تک وہوش میں کھڑا ہے گا۔ کار کو دروازہ کھلتے وقت جہاز بھی ہی روشنی سے اٹھائی تھی، اس روشنی میں عمار نے اپنے کلار کے چہرے پر ایک حائرانہ سی نظردروازی تھی۔ بیستیس چالیس سال کی عمر کا یہ شخص غصے سے خاصا شریف ہی دکھائی دے رہا تھا۔

☆☆☆

پچھلا دروازہ لاک کر کے اس نے گاڑی کا انجن سٹارٹ کر دیا اور دوسرے ہی لمحوں میں گھر کے اندر گلیس پر کھائیں علی سے مخاطب تھا اس وقت رات کے دو بج رہے تھے۔ کھائیں علی اپنے بیٹے کو درختوں میں موجود تھا۔ اس کی یہ عادت تھی کہ وہ اپنے ساتھیوں کو کسی بھی ہم پر پہنچ کر ان سے لاکھنٹیں دیتا تھا بلکہ گھر کی گلی کے لیے خود بھی بیٹے کو درختوں میں موجود تھا۔ اس نے باقی لوگوں کے گھروں پر بھی اسی طرح اپنے ہاتھوں کو کھینچ گھرائی کے لیے مقرر کیا تھا لیکن کسی کامیابی کی اطلاع اسے صرف عمار کی طرف سے ہی موصول ہوئی تھی۔

عمار کا رکتیج مستوں میں اڑتا ہوا یہاں تک لایا تھا۔ بیٹے کو درختوں کا دروازہ اس کی گاڑی کو پکڑنے پر کھول دیا گیا۔ کار وہ برآمدے تک لے آیا تھا۔ برآمدے میں سب سے پہلے اس کی نظر کھائیں علی پر پڑی تھی۔ عمار تجزی سے اندر کر پاپا آیا اور کھجلی سیٹ کا دروازہ کھولا۔

"جی یہ کیا؟" جہاز تھا اس کے منہ سے نکلا۔

کھجلی سیٹ خالی تھی۔ عمار کا منہ تو کھلے کا کھلا رہ گیا۔ سینہ صاحب کی کوٹھی سے یہاں پہنچنے تک اس نے تین چار سو زور زور کائے تھے اور ہر سوڑ پر اسے گاڑی کی رفتار بھی بہت آہستہ کرتی پڑی تھی لیکن یہ بات تو اس کے دہم دگمان میں بھی نہیں آ سکتی تھی کہ اس کا شکار کسی ایسے ہی سوڑ پر اسے مل دے کر نکل گیا ہوگا۔ وہ تو ابھی تک اسے بے ہوش ہی سمجھ رہا تھا۔ عمار شینچا کر رہ گیا۔

وہ بڑا حائر و مانع اور بات بات میں حراج پید آ کر نے والا زندہ دل آدمی تھا۔ ایسے مواقع پر ایک آدھ فقرہ بول کر وہ دل کا غبار بھی ضرور ہلکا کرتا تھا لیکن اس معاملے نے تو اسے پکڑا کر ہی رکھ دیا تھا۔ وہ دونوں کی طرح کھائیں علی کا منہ دیکھتا رہا جس کے چہرے پر ہمیشہ کی طرح سحرانہ تھی۔ علی بغیر کچھ کہے کر سے میں واپس آ گیا۔ عمار بھی اس کے تعاقب میں اندر آ گیا۔ "کوئی بات نہیں۔ کبھی کبھی یوں بھی ہو جاتا ہے۔" اس نے عمار کا دل بڑھایا۔ عمار صرف مسکرا کر رہ گیا۔

۱۰
۱۱
۱۲
۱۳
۱۴
۱۵
۱۶
۱۷
۱۸
۱۹
۲۰
۲۱
۲۲
۲۳
۲۴
۲۵
۲۶
۲۷
۲۸
۲۹
۳۰
۳۱
۳۲
۳۳
۳۴
۳۵
۳۶
۳۷
۳۸
۳۹
۴۰
۴۱
۴۲
۴۳
۴۴
۴۵
۴۶
۴۷
۴۸
۴۹
۵۰
۵۱
۵۲
۵۳
۵۴
۵۵
۵۶
۵۷
۵۸
۵۹
۶۰
۶۱
۶۲
۶۳
۶۴
۶۵
۶۶
۶۷
۶۸
۶۹
۷۰
۷۱
۷۲
۷۳
۷۴
۷۵
۷۶
۷۷
۷۸
۷۹
۸۰
۸۱
۸۲
۸۳
۸۴
۸۵
۸۶
۸۷
۸۸
۸۹
۹۰
۹۱
۹۲
۹۳
۹۴
۹۵
۹۶
۹۷
۹۸
۹۹
۱۰۰

[illegible]

تھے۔ کچھوں علی کی لاش لٹائی سے ذاتی دوستی تھی۔ دونوں کالج کے زمانے میں اکٹھے ہی پڑھا کرتے تھے دراب بھی ایک دوسرے کے ساتھ اکلہ معاملات میں تعاون کرتے تھے۔ علی کو اس بات کا طرہ کہ لاش لٹائی سے یہ قتل اپنے قبضے میں رکھی ہوئی ہے اور وہ کسی کو نہیں دکھاتے۔ علی نے ان سے یہ قتل لے کر ایک ایک ٹکڑے کو گور سے پڑھا پھر ایک نام پر اس کا ذہن انک کر رہ گیا۔ یہ نام تھا ہیرک۔

ہیڈرک کا تعلق کسی دوسرے ملک سے تھا اور وہ اپنی مشتری کی طرف سے یہاں تعینات تھا۔
پہلیں کو موصول ہونے والے اکثر خطوط میں ہیڈرک کی پراسرار سرگرمیوں کی اطلاعات دی گئی تھیں۔ اس
مکمل کے پیش نظر کہ خود بخود چکے تھے۔ لیکن ان کو سمجھوتے ہوئے اور اپنے ذہن میں اندازہ قائم کر کے کہ
ضرورتاً وہ کرنے والوں کا کوئی واقعی مکمل کے خلاف میں موجود ہے۔ ہیڈرک کو چیک کرنے کا فیصلہ کر لیا
تھا۔ اس نے ہیڈرک کی گہرائی پر انکشاف کیا۔

بزرگ اپنے سکول کے ڈروپک سی ایک کینٹین پر اکثر چائے پینے آیا کرتا تھا۔ آج بھی وہ یہاں بیٹھا تھا لیکن اس بات سے بے خبر کسی سے تھوڑے سے فاصلے پر موجود ننچو اس کی نگرانی کر رہا ہے۔ ننچو ننچو یہاں آئے سوائے تیرا دن تھا۔ گزشتہ دو روز سے وہ صرف بزرگ کو یہاں آتے اور جاتے دیکھ رہا تھا لیکن کسی کی حشر آتی کہ اس نے بزرگ کے ڈروپک سے کھٹکے نہیں دیکھا تھا۔ اس صورت حال

نیچے کو احساس تھا کہ یہ صورت حال بھی خوش آسکتی ہے۔ اس نے اس سے ٹھٹھنے کی پہلے ہی سے تیاری کر رکھی تھی اور یہاں سے فرار کے تمام راستوں کا جائزہ لے لیا تھا۔ لوگوں کو اپنی سمت آتے دیکھ کر اس نے اپنا رخ بدلا اور نزدیکی میں محسوس کیا۔ پھر وہ مختلف جگہوں میں پکڑ کاٹ رہا۔ جلد ہی وہ اپنے عقاب میں آنے والوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے میں کامیاب ہو گیا۔ چھ منٹ کے بعد ہی وہ اپنے

ایک دفعہ لڑکانے پر موجود تھا یہاں کیشن علی اور عامر پہلے ہی اس کے خطرے سے کیونکہ نیچے کی گھرنی پر بھی کیشن علی نے ایک اور آدمی کو لگا رکھا تھا جس نے نیچے کے اس "کارنامے" کی اطلاع انہیں پہنچا دی تھی اور انہیں علم تھا کہ نیچے سید حسامی طرف آئے گا۔ سب سے پہلے تو دونوں نے اسے اس کارنامے پر مبارکباد دی اور پھر جس سے اتفاقاً لال کر علی نے چاک کیا اور اسے جو خور برآمد ہوئی وہ کچھ یوں تھی:

"ہاں!"

ایک اور موٹی اسمائی کا پتہ لکھ رہا ہوں۔ (نیچے چلا دیا تھا) یہ بھی آپ کے لیے سونے کی کان بات ہوگی۔ امید ہے کہ آپ میری خدمات سے خوش ہوں گے۔ سب حالات ٹھیک ہونے تک مجھ سے رابطہ نہ کیا جائے۔ کیونکہ ممکن ہے یہی آئی ڈی والے میری گھرنی شروع کر دیں۔

آئندہ سکول میں کوئی مجھ سے ملنے کی کوشش نہ کرے۔ اگر ضروری ہو تو مجھ سے مگر براہ رابطہ قائم کیا جاسکتا ہے۔

ہیٹرک!

"شکر ہے خدا کا کوئی سرائو ہاتھ لگا۔" علی نے غلط چہرہ کر سکون کا لہجہ سانس لیا۔

اس کا اندازہ درست ہی لگتا تھا۔ اس نے نیچے کو تازہ ہدایات دے کر ہیٹرک کے گھر کی گھرنی کرنے کے لیے کہا اور نیچہ وہاں سے ہیٹرک کے گھر کی طرف چل دیا۔ اسے اب ہمیں بدل کر اس کے گھر گھرنی کرنی تھی۔

☆ ☆ ☆

کیشن علی کو دوسری امید اب سید صاحب کے فون کی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ جلد ہی مجرم سیدھ کو پھیلانے کے لیے فون کریں گے۔ اس کے ساتھ ہی اس نے عامر کو سیدھ صاحب کی کوٹھی کی طرف گھرنی کے لیے روانہ کر دیا۔ رات گئے عامر وہاں لوٹ آیا۔ اس نے اپنی جگہ اپنے گلے کے ایک اور ساتھی کو ڈیوٹی پر لگا دیا تھا۔ کیشن علی اس وقت اپنے کمرے میں غواہ ہونے والے بچوں کے والدین کے ساتھ ہونے والی بھڑموں کی گفتگوں رہا تھا جب عامر اندر داخل ہوا۔

اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا، علی نے انگلی کے اشارے سے اسے خاموش ہونے کے لیے کہا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے نیپ کی آواز بگنی کر دی۔ یہ سیدھ رمضان اور غویہ کو اغوا کرنے والوں کے ساتھ فون پر ہونے والی گفتگو کا نیپ تھا جس میں ملازموں نے سیدھ صاحب کو فون پر اطلاع دی تھی کہ وہ ایک

بریف کس میں پسند نہ کر دوسرے روز علی صبح شکرال کے پہاڑی سطلے میں پہنچ گئے۔ انہیں کہا گیا تھا کہ ہائی ہدایات آپ کو ہیں نہیں کی۔

شکرال کی پہاڑیاں شہر سے تقریباً 40 میل دور واقع تھیں۔ پہلے تو سیدھ صاحب نے نیکی سوچا کہ وہ اس فون کی اطلاع پر نیپس کو دیرین نہیں لے کر لیا کیونکہ غریبان کا اکلوتا بیٹا تھا اور وہ اس کی زندگی کے لیے کسی بھی قسم کا خطرہ مول لینے کو تیار نہیں تھے۔ انہوں نے ہائل خود اٹھا کیے ہی شکرال کی طرف جانے کا ارادہ کر لیا تھا۔ انہیں ڈر تھا کہ اگر ملازموں کو ذرا سا بھی لگے ہو گیا تو وہ غریب کو جان سے مار ڈالیں گے۔

نیپ کا سوچ آف کر علی نے عامر سے کہا۔

"تم فوراً ایک ٹیم لے کر شکرال کی پہاڑیاں میں چل جاؤ۔"

اس بات کا خیال رہے کہ یہ تمہارے لیے بالکل آخری موقع ہے۔ بہت احتیاط سے کام لیتا۔ اس نے عامر سے کہا۔

"بس جناب! اب کچھ اور نہ کہیے۔ مجھے پہلے ہی بہت غصہ آ رہا ہے۔" یہ کہہ کر عامر باہر نکل آیا۔

کیشن علی جانتا تھا کہ ملازم کوئی کیسی کوٹیاں نہیں کھیلے ہوئے۔ وہ بچے نہیں تھے، بڑے تربیت یافتہ لوگ تھے اور اس بات کا انہیں احساس تھا کہ ان کی سیدھ کے ساتھ ہونے والی گفتگو پکار کی جارہی ہے۔ اس لیے اس بات کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کہ وہ سیدھ کو ہی جگہ لے جاتے جہاں انہوں نے فون پر کہا تھا۔ اسے احساس تھا کہ اگر ملازم بالکل ہی بے خوف نہ ہوتے تو وہ جگہ ضرور بدلیں گے۔

اس نے عامر اور دوسرے لوگوں کو ڈراے میں حقیقت کا رنگ بھرنے کے لیے شکرال کی طرف روانہ کر دیا تھا تا کہ ملازم بھی مطمئن ہو جائیں۔ لیکن وہ خود اب ایک اہم مہم سرانجام دینے جا رہا تھا۔ رات کا دوسرا پہر تھا اور اس کا رخ سیدھ رمضان کی کوٹھی کی طرف تھا۔ اسے اس بات کا علم تھا کہ سیدھ کی کوٹھی کی گھرنی میں ملازموں کے ساتھی کر رہے ہیں کیونکہ وہ سیدھ کی سرگرمیوں کو نظر انداز نہیں کر سکتے تھے۔ کیشن علی بھی اس موقع کو کھو نہیں چاہتا تھا۔ اس نے آگ میں کودنے کا خطرہ ناک فیملر کر لیا تھا۔

شکرال کی پہاڑیاں بڑی پرفضا تھیں۔ شہر سے لوگ تفریح کرنے اور چمک ستارے اس طرف آیا کرتے تھے لیکن شام ڈھلے یہاں خاموشی طاری ہو جاتی تھی۔ کیونکہ دن غروب ہونے سے پہلے لوگ

و انہیں شہر کو لوٹ چلایا کرتے تھے۔ لیکن آج خلاف معمول شام ۱ بجے ایک جیپ اس طرف کو آتی دکھائی دے رہی تھی۔ اس جیپ میں جاسور اور اس کے ساتھی بکلی کے گھسے کے ملازمین کے روپ میں موجود تھے۔ انہوں نے یہاں تک پہنچنے کے لیے یہ روپ اختیار کیا تھا تا کہ کسی کو شک نہ کر دے۔

جیپ انہوں نے کچھ دور ہی درختوں کے جھنڈ میں چھپا دی۔ انسپکٹر ناصر جیپ میں دو ایسٹریس پر موجود تھا اور عاصی کی عمرانی میں باقی تمام لوگ دو دو تک کھیل گئے۔ کوکاسلی کھیل کو شروع ہونے میں ابھی بہت دیر باقی تھی مگر وہ ابھی سے پوچھنے کو سر جھنڈ ہے۔

ظلم بڑے ہو شیاد معلوم ہوتے تھے۔ انہوں نے سیٹھ کو بڑا عجیب و غریب اور صبح کا وقت دیا تھا۔ مگر کچھ نہیں آ رہی تھی کیس میں کیا مصلحت ہے۔ اس کے ساتھیوں نے شہر سے اس طرف آنے والے تمام راستوں پر نظر رکھی ہوئی تھی۔

سڑک دور دور تک سنسان پڑی تھی۔ وہ ابھی کوٹھی سے کچھ دور ہی تھا جب نسیم کے مطابق اس علاقے کی لائن آف کر دی گئی۔ اچانک بکلی لٹل ہو جانے سے اندھیرا اتنا زیادہ بڑھ گیا تھا کہ ہاتھ کو ہاتھ بھائی نہیں دے رہا تھا۔ سیٹھ کا چوکیدار بڑا ہوشیار تھا لیکن اسے علم نہ ہو سکا کہ علی نے کب کوٹھی کی دیوار چھانڈی۔ پھر اندر داخل ہو گیا۔ دو بجی کی طرح بغیر آواز پیدا کیے بیٹوں کے بل چلا ہوا سیٹھ کے کمرے کی طرف نکلا۔

چند منٹ کے بعد ہی وہ بغیر آواز پیدا کیے گاڑی کی ڈیگھولنے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ گاڑی عاصی کی بیوی تھی اور علی جاننا تھا کہ وہ اس کی ڈیگھولنے میں خاصا وقت بڑے آرام سے گزار سکتا ہے۔ ڈیگھولنے میں وہ کراس نے ڈھکن بند کر دیا۔ اب اسے سیٹھ کا انتظار تھا توڑی دیر بعد ہی برقی رو بھال ہو گئی۔

علی الصبح ہی سیٹھ کا چوکیدار اسے ہاتھ میں بریف کیس پکڑے اس طرف آتے دیکھ کر حیران ہو گیا۔ وہ سیدھا اپنی کار کی طرف آ رہا تھا۔ یہ خلاف معمول بات تھی۔ وہ اول تو اس وقت کہیں جاتے ہی نہیں تھے۔ مگر اگر انہیں بھی تو ذرا نیچے ران کے ساتھ ہونا تھا۔

سیٹھ کو کار کی طرف آتے دیکھ کر چوکیدار نے مودب ہو کر انہیں سلام کہا اور چاہا کہ ڈائریکٹ کو جا دے جس کی کوٹھڑی نزدیکی تھی۔ سیٹھ نے اس کا غصہ یہ بھانپ لیا تھا۔ انہوں نے چوکیدار کو منع کر دیا۔ چوکیدار حیران ہی رہ گیا۔ سیٹھ کی ران کی طرف بڑھا۔ اس نے بریف کیس اپنے ساتھ ہی اگلی سیٹ پر رکھ لیا۔ کار کو گت کر کے باہر لے آیا۔

باہر سڑک پر پارکنگ نہ ہونے کے برابر تھا۔ پہلے کراسنگ پہنچ کر سیٹھ کو کار چاہا کہ بریک لگا کر روکنا پڑی۔ ایک فقیرانہ کی گاڑی کے پیچھے آتے آتے چھانچا۔ سیٹھ نے دیکھا تھا کہ اس نے بیوی ہوشیار دی سے ایک سادہ لٹاف سیٹھ کی کار کی کھلی کھڑکی سے اندر پھینک دیا۔ سیٹھ نے بیوی حیرانگی سے لٹاف کی طرف دیکھا۔ کراسنگ سے توڑی دور جا کر انہوں نے گاڑی سڑک کے کنارے گاڑی کی اور لٹاف نے کوپاک کیا۔ اندر سے غصہ برپا نہ ہوئی۔

”کچھ ڈی کو مال ایجنسی کی طرف موزوں اور وہاں کار پارکنگ ایسی یا میں دھارنا لگا کر دو۔ پھر مگر ام جدید ہو گیا ہے۔“

سیٹھ نے ایک لمبے کے لیے کچھ سوچا پھر گاڑی کو سڑک کی طرف تھموا۔ اس نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ پولیس اس معاملے میں نہیں آئی۔ یہ لوگ تو اس کی توقع سے بھی زیادہ خطرناک اور ہوشیار ہیں۔

☆☆☆

مال ایجنسی یہاں سے نزدیک ہی تھا۔ توڑی ہی دیر بعد وہ پارکنگ ایریا میں پہنچ گئے۔ انہوں نے گاڑی ابھی ایک طرف کھڑی ہی کی تھی جب ایک شخص تیز قدموں سے چلتا اس طرف آیا اور اگلا دو دروازہ کھول کر بیٹھ گیا۔ سیٹھ نے بریف کیس احتیاطاً چینی دانتی طرف رکھ لیا تھا۔

”کہاں ہے رقم؟“ آنے والے نے پستول سیٹھ کی کمر سے لگاتے ہوئے پوچھا۔

”میرا بیٹا کہاں ہے؟“ سیٹھ نے بیوی جرات سے جواب دیا۔

اس نے سیٹھ سے کچھ قاصطے پر کھڑی ایک سیاہ رنگ کی کار کی طرف اشارہ کیا۔ سیٹھ نے گردن سمٹا کر اس کی طرف دیکھا۔ کار کی کھلی سیٹ پر دو آدمیوں کے درمیان اس کا بیٹا غور بیٹھا تھا۔ انہوں نے جان بوجھ کر اس طرف سے شیشہ نیچے کر لیا ہوا تھا تا کہ سیٹھ کو منظر صاف دکھائی دے۔ سیٹھ کا دل دھک سے دوڑ گیا۔

اپنے بیٹے کو اس حال میں دیکھ کر ان کی حالت بگڑنے لگی لیکن انہوں نے جلد ہی خود پر قابو پا لیا۔ وہ بیوی رانٹ مندی سے کام لے رہے تھے۔

”ٹھیک ہے تم میرے بیٹے کو یہاں لے آؤ۔ میرا بیٹا مجھے سوپ دو اور اپنی رقم وصول کر لو۔“ انہوں نے اپنے ساتھ لگے بد معاش سے بڑے مضبوط لہجے میں کہا۔

”جو کچھ فراموشی نہ ہو، وہ سب میں تھا اور مطالبہ ہوا کہ وہ اس کو تمام کر لیں اور وہ ہوا کہ وہ سب تک پہنچے، مگر وہ سب ایک ہی جگہ پر آئے اور وہ سب ایک ہی جگہ پر آئے۔“

”تو اس نے کہا کہ وہ سب تک پہنچے، مگر وہ سب ایک ہی جگہ پر آئے اور وہ سب ایک ہی جگہ پر آئے۔“

”تو اس نے کہا کہ وہ سب تک پہنچے، مگر وہ سب ایک ہی جگہ پر آئے اور وہ سب ایک ہی جگہ پر آئے۔“

”تو اس نے کہا کہ وہ سب تک پہنچے، مگر وہ سب ایک ہی جگہ پر آئے اور وہ سب ایک ہی جگہ پر آئے۔“

”تو اس نے کہا کہ وہ سب تک پہنچے، مگر وہ سب ایک ہی جگہ پر آئے اور وہ سب ایک ہی جگہ پر آئے۔“

”تو اس نے کہا کہ وہ سب تک پہنچے، مگر وہ سب ایک ہی جگہ پر آئے اور وہ سب ایک ہی جگہ پر آئے۔“

”تو اس نے کہا کہ وہ سب تک پہنچے، مگر وہ سب ایک ہی جگہ پر آئے اور وہ سب ایک ہی جگہ پر آئے۔“

”تو اس نے کہا کہ وہ سب تک پہنچے، مگر وہ سب ایک ہی جگہ پر آئے اور وہ سب ایک ہی جگہ پر آئے۔“

☆☆☆

”تو اس نے کہا کہ وہ سب تک پہنچے، مگر وہ سب ایک ہی جگہ پر آئے اور وہ سب ایک ہی جگہ پر آئے۔“

”تو اس نے کہا کہ وہ سب تک پہنچے، مگر وہ سب ایک ہی جگہ پر آئے اور وہ سب ایک ہی جگہ پر آئے۔“

”تو اس نے کہا کہ وہ سب تک پہنچے، مگر وہ سب ایک ہی جگہ پر آئے اور وہ سب ایک ہی جگہ پر آئے۔“

”تو اس نے کہا کہ وہ سب تک پہنچے، مگر وہ سب ایک ہی جگہ پر آئے اور وہ سب ایک ہی جگہ پر آئے۔“

”تو اس نے کہا کہ وہ سب تک پہنچے، مگر وہ سب ایک ہی جگہ پر آئے اور وہ سب ایک ہی جگہ پر آئے۔“

[illegible]

انہی کے لئے ان پر سے چادریں بٹا دیں۔ اعلیٰ جہک کر ان کے جسموں کا جائزہ لینے لگا۔ پھر اس

”اچھا اس کے کھانے کو کچھ لگا چاہیے۔“ نیچے نے سوچا۔

اس نے دیکھا کہ اسے آئے والا بیڑک کے مکان کی طرف جا رہا تھا۔ پھر اس نے بیڑک کے مکان کی گھنٹی کے ہلنے پر اٹھی رکھ دی۔ نیچے کو فرائی کوئی لینے کرتا تھا۔ اس نے سوچا میرے لیے چوتھے مکان میں کون سی دھواں کی باتیں سن سکیں۔ یہاں اس شخص کے کھانے کا پتہ لگایا جائے۔ اس طرح کم از کم مڑوسوں کا ایک اور ساقی تو بے شک ملے گا۔

یہی سوچ کر وہ اس کار کی طرف روانہ ہو گیا۔

☆ ☆ ☆

اپنا طوطا نیچے نے وہاں بھاڑیوں میں چھپا دیا اور بیڑوں سے ایک عجیب و غریب قسم کی چٹانی نکالی۔

چٹانی ایک لوہے کے تار کی بنی تھی اور آبی قسم کی چٹانیاں رنگائی حالات میں لوگ اکثر اپنے پاس رکھ کر لے جاتے تھے۔ نیچے نے پہلے چاروں طرف نظریں دوڑا کر اطمینان کر لیا۔ دور دور تک کوئی آدمی ہوش رکھتی نہیں دے رہا تھا۔ اس نے چٹانی کار کی ڈبے سے لگائی۔ اسے دو تین مرتبہ ادھر اُدھر گھمایا۔ ایک منٹ کے بعد ہی چٹانی آواز پیدا کر کے چل گیا۔

نیچے نے ڈبے کا دھکن اٹھایا اور اندر بیٹھ گیا۔ کار کی ڈبے اتنی کشادہ تھی کہ اس جیسے دو اور بچے بھی اطمینان سے اس کے اندر بیٹھ سکتے تھے۔ دھکن اس نے بند کر دیا اور دل میں دعا کرنے لگا کہ اب اس کار کا لگا بھڑی ٹوٹ آئے۔ اس کا جسم اب پیسے سے بھینکنے لگا تھا۔

قریباً دس منٹ بعد خدا خدا کر کے اس نے کار کا انجن شارت ہونے کی آواز سنی۔ کار چلنے سے اس کے جسم کو کچھ ہلکا ہوا۔ نیچے نے اعزاز لگایا کہ اس نے تقریباً آدھ گھنٹہ تک کار میں سفر کیا تھا۔ اب تو اسے گھبراہٹ بھی ہونے لگی تھی۔ پھر جیسے قدرت کو اس کی حالت پر رحم آ گیا وہ اس نے کار سے اتر گئی۔

انجن بند ہونے کے کم از کم دس منٹ بعد تک وہ اس حالت میں لیٹا رہا۔ پھر ہمت کر کے سیدھا کار کی گاڑی کا دھکن اس نے فوراً کھول کر باہر کی صورت حال کا جائزہ لیا تو یہ دیکھ کر اس کا دل خوشی کے مارے میں اچھل پڑا کہ کار کسی کھلی جگہ پر نہ تھی بلکہ ایک گھیراج میں کھڑی تھی۔ نیچے خدا کا شکر ادا کرتا ہوا چل گیا۔

باہر آ کر اس نے دیکھا کہ گھیراج کا دروازہ بھی کھلا ہے۔ اس کوٹھی میں شاید کسی خصوصی کام کا انتظام نہیں تھا۔ مڑوسے سے اشارہ تھے۔ وہ کوئی ایسی حرکت نہیں کر رہے تھے جو ان کو مشکوک

ظہر رانی۔

نیچے نے بڑی ہوشیاری سے گرد و پیش کا جائزہ لیا اور کوٹھی کی چھتی سی دیوار بھاگ بھاگ کر باہر آیا۔ باہر اس نے کوٹھی کا نمبر چھاننا۔ یہ کوٹھی ایک چھوٹے کالونی تھی جو بیڑک کے کمرے کے کم از کم 20 کلومیٹر دور تھی۔

نیچے نے ایک محفوظ جگہ پر کچھ کرنا چاہا اور دوسرے ہی لمحے وہ کپڑوں سے لگا رہا تھا۔

”ہلو! اٹھل! اور۔“

”ہلو! نیچے! اور۔“

”اٹھل! میں نے ان کے ایک اور ٹھکانے کا پتہ لگایا ہے اور۔“ اس نے غلی کو ساری کہانی سنا دی۔

”شباباش بیٹے! تم نے بڑا کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ وہاں ظہر دور اور ان پر نظر رکھو۔ ہم ابھی آ رہے ہیں۔ اور اینڈ آل۔“ سلسلہ منقطع ہو گیا۔

☆ ☆ ☆

ابھی بمشکل پانچ منٹ ہی گزرے تھے کہ نیچے نے دیکھا کہ چار بھڑوں نے اس کوٹھی کو گھیرے میں لے لیا ہے۔ پھر اس نے ایک جیب سے چھوٹا لگا کر عامر کو باہر آتے دیکھا۔

عامر اپنے دو ساتھیوں سمیت مین گیٹ سے اندر داخل ہوا تھا۔ ان کے باقی ساتھیوں نے جو مسلح تھے، کوٹھی کو چاروں طرف سے گھیرے میں لے لیا۔ عامر اور اس کے ساتھی سیدھے ڈانگ روم میں پہنچے جہاں تین آدمی بیٹھے تھے۔ عامر کی شکل پر نظر پڑنے ہی ان میں سے ایک نے اپنی جیب سے پستول نکال لیا۔ اس سے پہلے کہ وہ پستول کو سیدھا کرتا۔ عامر نے اپنی جگہ سے چھٹا لگا لئی۔ اس کی ٹانگ چلی اور سیدھی اس شخص کے پستول والے ہاتھ پر لگی۔ پستول اس کے ہاتھ سے نکل کر دور جا گری۔ زمین پر گرے ہی عامر نے اپنی ٹانگ بازی لگائی اور دوسری زوردار لٹ اس کی کمر پر جمادی۔ وہ شخص اپنے ہی زور میں دیوار سے جا ٹکرایا۔ اس اثناء میں عامر کے ساتھیوں نے بڑی بھارتی سے اس کے پستول پر قبضہ کر لیا تھا۔

”خبردار کوئی اپنی جگہ سے نہ ملے۔“ انہوں نے اپنے پستول نکال کر حینوں کو لگا دیا۔

مڑوسوں نے ہاتھ کھڑے کر دیے۔

عامر کے ساتھیوں نے کوٹھی کے باقی کمروں کی بھی تیزی سے تلاشی لے لی جس میں یہاں ان تینوں کے علاوہ اور کوئی نہ تھا۔

قہوڑی درجہ دی وہ سچاں علیٰ غرض کے ایک خفیہ حکمانے پر موجود تھے۔ اس مرتبہ علی کوئی غلط نہیں کر رہا تھا۔ ماسرہ کی بدانتہا پر غلاموں کو یہ دعا دی گئی تھی کہ وہ علی کو گھر سے نکالیں۔ یہ علی نے اپنی باری ان کی آنکھوں میں ڈال کر دیکھا۔ پھر اس کی نظر پر ایک شخص کے چہرے پر غم تھا۔ یہ علی سے کچھ جانی چھٹی آگاہی دے رہی تھی۔

علی نے اپنے اذہن پر زور ڈالا تو جیسے اسے ایک بھولی بھولی کہانی یاد آگئی۔

"اسے دوسرے کمرے میں لے آؤ۔" اس نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا۔

قہوڑی درجہ و عزم ایک کمرے میں کیشن علی کے ساتھ موجود تھا۔ یہاں وہ دونوں اکیلے تھے۔ علی نے جان بوجھ کر اپنا غول ہٹا دیا تھا۔

"میں نے تمہیں پہچان لیا ہے۔" اس کے منہ سے چاکلی کی آواز نکلا۔ غلام بوکھلا گیا۔

"کیسے کیا مطلب؟" اس نے ہلکا سے ہونے کہا۔

"مطلب یہی کہ تم جلد کچھ چاؤ گے ویکم۔"

چھٹی علی کے منہ سے ایک کالاف نکلا وہ شخص واقعی بوکھلا گیا۔

"م۔ میں کسی ویکم کو نہیں جانتا۔"

"میں نے کب کہا ہے کہ تم کسی ویکم کو نہیں جانتے۔ میں تو یہ کہہ رہا ہوں کہ تم خود ویکم ہو جو ایک پڑھے لکھے گمانے کا بیج خاکہ لڑکا ہے جسے گندی صحبت نے بے راہ کر دیا۔ تم جانتے ہو تمہارے فرار کے بعد تمہارے گھر والوں پر کیا گزری، تمہاری والدہ تمہارے غم میں رو رو کر اندھی ہو چکی ہے۔ تمہارے والد بھی چھٹی لے کر گھر بیٹھ گئے ہیں۔" کیشن علی نے نفسیاتی حربہ آزمایا۔

اس نے دیکھا کہ ویکم کے چہرے کی رنگت بدلتے لگی ہے۔ وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبا دکھائی دے رہا تھا۔

"ویکم اہم اب بھی چاہو تو قانون کی مدد کر کے اپنے لیے آسانی پیدا کر سکتے ہو۔ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ اگر تم اس گروہ کی گرفتاری میں مدد کرو گے تو میں تمہارے لیے عدالت سے رحم کی درخواست کرانے لگاؤں گا۔ لیکن یہ کہ تمہیں سلاطین کو اذیت دینا اور تمہاری سزا معاف کر دی جائے تاکہ تم دوبارہ ایک شریف شہری بن کر زندگی بسر کر سکو۔ پھر تمہیں کیا منظور ہے؟

علی کی بات غم ہوتے ہی ویکم کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔ پھر اس نے رندمی ہوئی آواز میں کہا۔

"کاش مجھے ہمہ تن کس کئے فطرتاً گروہ میں بخش چکا ہوں۔ میں تو سمجھا تھا کہ یہ لوگ

صرف فراہمی کرتے ہیں۔ لیکن یہ تو بڑے فطرتاً گروہ ہیں۔ یہ تو بچوں کو انوار کے دوسرے عالم تک میں فروغ دے رہے ہیں۔ میں نے کئی مرتبہ چاہا کہ ان کے چنگل سے نکل جاؤں لیکن ایک مرتبہ میں چننے کے بعد یہاں سے نکلتا بہت مشکل ہے۔"

"تم بے فکر رہو۔ یہ میری ذمہ داری ہے۔ تمہارا کوئی پال بھی بچا نہیں کرے گا۔" کیشن علی نے اسے تسلی دی۔

اس نے ویکم کے لیے جہیز چاہے منگوائی۔ اس کی حالت کو مدلل کرنے لگا۔ ویکم کے دل پر اس بات کا طبع ہوا کہ یہ تو بہت بڑا گروہ ہے جس کا سر فہرست ایک شخص حیثیت خاں ہے جو سرحدی پہاڑی علاقے میں رہتا ہے۔ حیثیت خاں ایک مضبوط قلعہ دار مکان میں رہتا ہے جس علاقے میں اس کا قیام مقبوضہ چونکہ علاقہ غیر تھا اس لیے یہاں مقامی حکومت کوئی کارروائی بھی نہیں کر سکتی تھی۔

اس نے علی کو بتایا کہ حیثیت خاں امیر بچوں کو خواہتا ہے۔ ان کے والدین کو ایک مسئلہ کر کے ان سے پیسے چھیننے کے بعد بچے کو واپس نہیں کیا جاتا۔ اسے وہ لوگ اپنے علاقے میں پہنچا دیتے ہیں جہاں سے یا تو اسے آگے فروغ دے کر دیا جاتا ہے یا پھر اسے ساری زندگی کے لیے جیل خانہ بنا کر یہ لوگ اس سے ہٹک گھبراتے ہیں۔

ویکم نے بتایا کہ انوار ہونے والے بچے بھی وہیں موجود ہیں۔

"جناب حیثیت خاں کے خلاف کارروائی کرنے سے پہلے وہاں کے دوسرے سربراہوں کو احاطہ میں لے کر پڑتا ہے۔ لیکن یہ شخص اس کا طاقتور ہے کہ اس کے خلاف کوئی بھی حکومت کی مدد پر تیار نہیں ہو گا۔ بہر حال کچھ بھی ہو، میں آپ کی ہر طرح سے مدد کرنے کے لیے تیار ہوں۔ میں آپ کو اپنی جان پر کھیل کر حیثیت خاں کے ٹھکانے پر لے جانے کے لیے تیار ہوں۔"

"تم مطمئن رہو۔ انشا اللہ اب اسے دنیا کی کوئی طاقت قانون کی گرفت سے نہیں بچا سکتی۔"

علی نے اسے اطمینان دلایا۔

اس نے ویکم کو ایک ڈرامہ کرنے کی ہدایت کی اور اس کے چہرے اور جسم پر ایسے نشانات لگا دیے کہ اس کے دونوں ساتھی بھی سمجھیں کہ اس پر تشدد تو کافی ہوا ہے مگر اس نے کچھ بتایا نہیں۔ علی کے ساتھیوں نے جب ویکم کو دوبارہ دونوں غلاموں کے ساتھ بند کیا تو وہ اسے اس طرح دھکے مارتے ہوئے لے جا رہے تھے جیسے اس سے سخت ناراض ہوں۔ اسے غلیظ حوالات کے کمرے میں رکھتے ہوئے علی نے بڑے پیش میں آنے کی اداکاری کرتے ہوئے کہا۔

"میں تمہاری پوٹیاں توجہ لوں گا۔ صبح تک سوچ لو کہ تم نے صبح تک سب کچھ نہ بتایا تو تم

دعوت الی اللہ
 "جوں کو کوئی ساری جانے گی۔"
 "جی ہاں ہے کرو۔ میری زبان تم میں گھسائی گئی۔"
 علی نقی علیہ السلام نے فرمایا: "میں نے اسے دیکھا۔"

تیم کے مطابق دوسرے راج کو پھر علی نے دیکھ کر باہر نکالا۔ وہ لوگ دیکھ کر ساقیوں کو
 بھی تارو سے رہے تھے کہ وہ اسے کوئی مارنے کے لیے لے جا رہے ہیں۔ تو زنی اور بعد ہی دیکھ کر وہ
 کو ایک دیکھ کر اپنا دم میں پڑا۔
 "کونسی بی بی نے آدھا گھنٹہ اس کے ایک اپ پر لگا دیا۔ پھر اسے ایک جڑا قبا علی قسم کا پہینے کا کہا۔
 جب وہ قبا پہن کر آئی تو اس کے سامنے آیا تو وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اس کی جگہ ہاں تو کوئی اور
 شخص کی مگر تھا۔ وہ دیکھ کر اس کے سامنے علاقہ غیر کا کوئی باشندہ دکھائی دے رہا تھا۔
 "تم میرے گھبراہٹ میں آؤ تو جب کمال کے آدمی ہیں۔" اس کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔
 "اسی طرح تم نے دیکھا ہی کیا ہے۔ یہ تو آدمی کو بندر بھی بنا سکتے ہیں۔" عامر نے اندر داخل
 ہوتے ہوئے کہا۔
 "دیکھ کے میرے پر بھی ہی مسکراہٹ نکلی گئی۔"

"میں تو زنی اور بعد یہاں سے روانہ ہوتا ہے۔ تم لوگ تیار ہی نہ ہو۔" اس نے عامر کو
 کوچہ چاہت ہوئی۔
 "مجھے تو صاف ہی دیکھا۔ ابھی میں نے زندگی میں دیکھا ہی کیا ہے۔" عامر نے وہاں سے
 نکلے ہوئے کہا۔
 "اس مرتبہ تمہارا گھر استعمال میں نہ سوجا لیا ہے۔" نکیشین علی مسکرایا۔
 "کیا استعمال؟" نکیشین نے فرمایا۔

"تمہارے خیال سے ضرورت پڑنے پر عامر صاحب کو پرغال چھوڑ کر اپنی جان بچالیں گے۔
 وہاں کی روایت کے مطابق کسی لڑکی کو وہ لوگ پرغال دیکھ کر ہی نہیں۔"
 "مجھے آپ سے کوئی خوش قسمتی بھی نہیں ہے۔" عامر بولا۔
 دیکھ کر انہی نے انکسار دیکھ کر ہاتھ اس طرح کے پولیس والے اس نے زندگی میں پہلی مرتبہ
 دیکھے تھے جو چنے مسکراتے ہوئے موت کے منہ میں چلا گیا۔



مکڑ وال

مکڑ وال ایک وسیع پہاڑی علاقہ تھا۔

کہیں کہیں تو اس علاقے کی پہاڑی چوٹیاں آسمان سے باتیں کرتی دکھائی دیتی تھیں۔ اس
 وسیع پہاڑی سلسلے کے دوسری طرف ترنوال کا چھوٹا سا شہر آباد تھا۔ یہ ایک طرح کی تہذیبی منڈی تھی لیکن
 دنیا بھر کا سنگ شدہ سامان یہاں فروخت ہوتا تھا۔ اس سرحدی منڈی پر حکومت کا کنٹرول تھا لیکن اس
 سے آگے علاقہ آزاد تھا۔

اس کے بعد حکومت کا کنٹرول ختم ہو جاتا تھا۔ اس سے آگے جانے والوں کے لیے واضح
 ہدایت موجود تھی کہ وہ اپنے رسک پر ہی آگے جاسکتے ہیں۔ ملک کے عام باشندے اس طرف سفر کرتے
 ہوئے ڈرتے تھے۔ کیا معلوم کب کوئی بھولی بھگی کوئی کسی طرف سے آئے اور مسافر کی کھوپڑی میں
 سوراخ کرتی ہوئی نکل جائے۔ یہاں کے لوگ معمولی رقم لوٹنے کے لیے بھی دوسروں کی جان لینے سے
 نہیں بچ سکتے تھے۔

لوگوں کے اس طرف نہ جانے کی دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ یہاں ہونے والی کسی بھی واردات
 کی حکومت کوئی ذمہ داری قبول نہیں کرتی تھی۔ یہاں داخل ہونے والا کوئی بھی شہری اپنے برے بھلے کا
 خود ہی ذمہ دار تھا۔

ان حالات کے باوجود روزانہ ہنگاموں لوگ یہاں آتے جاتے رہتے تھے۔ ان میں زیادہ
 تعداد ان لوگوں کی ہوتی تھی جو مقامی لوگوں کے دوست تھے اور ان کی دعوت پر یہاں سرور قیام کے لیے
 آتے تھے۔ یہاں کے بڑے بڑے سردار اپنے مہمانوں کی دعوتیں کرنے میں خاصی شہرت رکھتے تھے۔
 اس کے علاوہ ان آنے والوں میں وہ لوگ بھی شامل ہوتے تھے جو اپنے ملک میں اشتہار کی محرم تھے اور

پہلی کی باتوں میں وصول ہو کر جہاں پہاڑوں کی آغوش میں ہی وہ پہاڑی قصبے ان انتہائی محرومیوں کی وجہ سے یہاں کے لوگوں کی آغوش میں ہی وہ پہاڑی قصبے کیونکہ جب حکومت کے ذریعہ ان محرومیوں کی کوئی دیکھ بھال نہ ہو تو ان کو پناہ دینے والوں اور حکومت کے ذریعہ ان کے رہائش گاہوں پر پہاڑی قصبوں کی آبادی کو بچھڑا دیا۔

آج جب محرومیوں کی آمدورفت جلدی تھی۔ آئے والوں میں سیکڑوں کی ایک ٹولی بھی آج جب محرومیوں کی آمدورفت جلدی تھی۔ یہ لوگ یہاں کے ایک ملک زرنگ کی شہر تھی جس میں تین جہاں آدی اور ایک نو عمر لڑکا شامل تھے۔

وہ وہاں آئے تھے۔ زرنگ کی ٹولی کا دوست تھا۔ وہ دونوں نے ایک دوسرے کی تعلیم حاصل کی تھی۔ زرنگ کی ٹولی کا دوست تھا۔ وہ دونوں نے ایک دوسرے کی تعلیم حاصل کی تھی۔

کے مطابق دو قصبے کے درمیان کا مسافت سنا لے کے لیے واپس لوٹ آیا۔ زرنگ کے ساتھ مل کر وہ ایک لڑائی کی تھی اور یہی ملک میں مقامی فتنوں نے زرنگ کو اکیلے دیکھ کر مار دیا۔ اگر کچھ مل کر اس کی مدد کو آتا تو میں ممکن تھا کہ زرنگ اس روز جان ہی سے چھوڑ دیتے۔

اس کے بعد سے وہ دونوں اپنے گھر سے دوست بنے کہ یہ دونوں آج تک کا محرم تھی۔ زرنگ کو کچھ نہیں ملے کام نہ رہا تھا۔ آج بھی اس روز جب ملنے سے اسے اطلاع دی کہ وہ اس کے علاقے کی سر کرنے آ رہا ہے۔ زرنگ کی خوشی کا کوئی قصہ نہ ہوا۔ وہ اپنے دوست کا استقبال کرنے کے لیے مکر و مال کی سرحد تک آیا تھا۔

اس بات کا تو اسے بھی بخوبی علم تھا کہ ملنے کی آمد کسی مقصد کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ ضرور وہ اس طرف کسی کام کو کرنے لگا ہے۔ کچھ بھی تھا وہ اپنے دوست کی آمد پر خوشی سے چھوٹے نہیں ہوا تھا۔

مکر و مال کی سرحد سے زرنگ اور اس کے ساتھی ملے اور اس کے ساتھیوں کو اپنے ساتھ چھپوں میں سوار کر کے لائے تھے۔ انہوں نے ملاقات پر وہ اپنی امداد میں قازم کر کے اپنی خوشی کا اظہار کیا تھا۔

دم ڈھلے وہ زرنگ کے ڈیرے پر پہنچ گئے۔ یہاں ان کے لیے شاندار ضیافت کا بندوبست کیا گیا تھا۔ ان کے ساتھ وہ لوگ ضیافت لگاتے رہے۔ پھر ملنے اپنے دوست زرنگ کے ساتھ ایک ٹھکانہ کے سامنے چلا آیا۔ اس کے باقی ساتھی تو کبھی کے لمبی جان کر سو گئے تھے لیکن یہ لوگ یہاں

ملاح مشہور ہے میں صرف ہے۔ ملنے نے اپنے دوست کو ساری بات بتادی اور یہ بھی بتادی کہ وہ لوگ یہاں کس راہ سے آئے ہیں۔ اپنی گفتگو کے خاتمے پر اس نے پوچھا۔

”یہ قصبہ خاں آگر ہے کیا؟“ وہ کوئی بھی نہیں اس کی طرف نہیں کرتی تھی۔ میں اس مسئلے میں تہیاری ہر طرح مدد کروں گا کیونکہ یہ میرا اخلاقی اور مذہبی فرض بھی ہے کہ میں اس ظالم کی قید سے معصوم بچوں کو آزاد کروانے میں تہیاری مدد کروں۔“ زرنگ نے اپنی مقیم ہدایات کے مطابق جواب دیا۔

”دوست تمہارا گھر یہاں؟“ ملنے نے کہا۔ دونوں دوست آئندہ کی صورت حال کے لیے ان کا عمل کرنے لگے۔ ملنے نے اسے سمجھا دیا کہ وہ کس منصوبے پر عمل کرنے جا رہا ہے اور اس کے سر ملنے پر زرنگ کی مدد و کار ہو گئی۔

☆☆☆

مکر و مال کے پہاڑی مسلے کے آخری کوئلے پر قصبہ خاں ایک قلعہ دار مکان میں رہتا تھا۔ نزدیک ہی پہاڑیوں کے درمیان اس نے انوار شدہ بچوں کا ایک بچہ رکھ رکھا تھا جہاں ملک سے انوار کر کے بچوں کو لایا جاتا تھا۔ یہ بہت ظالم شخص تھا۔ معصوم بچوں کو طرح طرح کی اذیتیں دیا کرتا۔ ان پر اپنی وحشت طاری کر دی جاتی تھی کہ وہ یہاں سے بھاگنے کا تصور بھی نہ کر سکتے تھے۔

یہاں آنے کے بعد قصبہ خاں پر انوار شدہ بچے کے جسم پر اپنی مہر لگایا کرتا تھا۔ اس کا طریقہ بڑا ہی وحشیانہ تھا۔ وہ لوگ انوار شدہ بچوں کے ہاتھوں اور پاؤں میں پیریاں ڈال کر انہیں ایک میدان میں لے آتے جہاں ایک دائرے کی شکل میں قصبہ خاں اور اس کے ساتھی جشن منا رہے ہوتے تھے۔

جانتی ہوئی آگ میں لوہے کی ایک سلاخ تپائی جاتی اور ایک ایک بچے کی کمر پر باری باری نشان لگا دیا جاتا۔ جب درد سے تر تپا ہوا بچہ تکلیف کی اذیت سے چلاتا تو یہ لوگ زور زور سے قہقہے لگاتے۔ یہ بڑا تکلیف دہ عمل تھا۔ ان بچوں کے ساتھ وہ لوگ ہر طرح کا ظلم روا رکھتے اور کوئی ان کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا تھا۔

☆☆☆

قصبہ خاں کا تر و مال کے علاقے میں ضیافت کا کاروبار بھی تھا۔ وہ یہاں عام طور پر آ جاتا کرتا تھا۔ اس روز کچھ نہیں ملے اور وہ بھی یہاں اپنے ہمیں بدلائے محوم رہے تھے۔ کچھ نہیں ملے اس کی شکل دیکھنا چاہتا تھا۔ وہ ہم نے اسے قصبہ خاں کی شکل دکھا دی۔

قصبہ خاں کا تر و مال کے علاقے میں ضیافت کا کاروبار بھی تھا۔ وہ یہاں عام طور پر آ جاتا کرتا تھا۔ اس روز کچھ نہیں ملے اور وہ بھی یہاں اپنے ہمیں بدلائے محوم رہے تھے۔ کچھ نہیں ملے اس کی شکل دیکھنا چاہتا تھا۔ وہ ہم نے اسے قصبہ خاں کی شکل دکھا دی۔

اس کی وجہ سے میری پرچہ ان کی گئی۔ حقائق یہ تھا کہ عوامت کے کنٹرول میں تھا، لیکن اس کے علاوہ ایک اور وجہ بھی تھی۔
اس نے یہیت خاں کو دیکھ کر دل میں ایک منصوبہ بنالیا۔ اور دسم کے ساتھ کوہل واپس لوٹ آیا۔ اس دوران اس نے کوہل میں یہیت خاں کے لکھنے والے دیکھے تھے لیکن اس سرے پر وہ اس کے کسی ساتھی کو ذکر کر کے نہیں بول سکتا تھا۔
"یہیت خاں! تم خدا کے ساتھ ہو کر دسم آئے والے ہو۔" اس نے دل ہی دل میں کہا۔
دسم کو وہاں اپنے ڈیرے پر پہنچ گئے۔ اس دوران علی نے دسم کو ایک منصوبہ سمجھایا تھا جس پر اسے عمل کرنا تھا۔
"کہاں کرلیف لے گئے تھے باب؟" عامر نے انہیں دیکھ کر پوچھا۔
"بھرا دار کوئی تک پیر کر لے گئے تھے۔"
"پیر و ساحت کیا تیری قسمت میں نہیں لکھی جو آپ ہر جگہ ایسے ہی تشریف لے جاتے ہیں؟"

"میں نے تمہارے لیے بھی پیر کا پروگرام بنالیا ہے۔"
علی نے دسم کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔
"خدا خیر کرے یا ہر دو ملے نظر نہیں آتے۔" عامر بولا۔
"نہیں یہیت خاں کے کپ کی پیر کو سمجھا جا رہا ہے۔ امید ہے کہ تم اس کا سہماں بننا ضرور نہ رہو گے۔ کیا خیال ہے؟"

"اس سے تو بھڑکا آپ مجھے جنم کی پیر پر روانہ کر دیتے۔ کم از کم یہیت خاں کے کپ سے تو وہ بڑھ کر تھی۔" عامر نے بے گتے لہجے میں کہا۔
"ہاں سے اگر وہاں لوٹ آئے تو جنم کی پیر کو بھی ضرور چاہا۔ میرے خیال سے وہاں بھی تمہاری ضرورت ہے۔"

"کی ہاں! وہ تو ہے ہی۔ میرے بغیر وہاں کے لوگوں کا دل بھی کیسے پہلے گا۔" عامر نے ہی لہجے میں جواب دیا۔

"اچھا نہ یاد رہا تھا میں نے غلط اور میرے ساتھ آؤ۔"

دسم کو عامر کو اپنے ساتھ ایک کونے میں لے گیا اور دونوں کو منصوبہ سمجھانے لگا جس پر انہوں نے عمل کرنا تھا۔

دیکھ رہا تھا ان کے سامنے مطابقت ملک کے تمام شہزادوں میں دسم کی تصویر بھی شان کی تھی اور یہ تھا کہ دسم ایک خطرناک مجرم ہے جو پولیس کی سرپرستی سے نکل کر فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ اسے گرفتار کرانے والے کے لیے ایک بڑی رقم کا اعلان کیا گیا تھا۔
اس خبر کے سنے روز بعد یہیت خاں کے گھر کے باہر اس کے پیروں سے وہ آدھیاں کوئی مڑھلے اس طرف آتے دیکھا۔ انہوں کو اس طرف آتے دیکھ کر انہوں نے اپنے انٹیکسٹا فٹ لیا۔

"غیر وارادہ ہیں رک جلاؤ۔ کون ہو تم لوگ؟" ان میں سے ایک نے لڑک کر پوچھا۔
"بہدوست ہیں اور یہیت خاں سے ملنے آئے ہیں۔" ان میں سے ایک نے کہا۔
"تمہاں سے آئے ہو؟" پیروں سے اشارے پوچھا۔

"ہاؤ خان کا اطلاع دو۔ ہمارا اور اپنا وقت ضائع نہ کرو۔ اگر اسے علم ہو گیا کہ تم نے ہمیں روکا ہے تو وہ تمہیں کوئی مار دے گا۔" آنے والوں میں سے دوسرے نے اس طرح کہا کہ پیروں سے اشارہ کر دیا۔
"کیا اس نے اپنے ایک ساتھی سے کہا کہ فوراً جا کر خان کا اطلاع دو۔"

تھوڑی دیر بعد دونوں نے یہیت خاں کو اس طرف آتے دیکھا۔

"ارے دسم تم! یہیت خاں نے اسے دیکھ کر قہقہہ لگا دیا۔

"شباباش! میں نے تمہارے فرار کی خبر اخبار میں پڑھی تھی۔"

شباباش! تم واقعی ایک بہادر انسان ہو۔"

دسم کے دوسرے ساتھی عامر نے دیکھا کہ دسم نے آگے بڑھ کر اچانک اس کے پاؤں پکڑ لیے۔ وہ اس کی شان دار اداکاری پر اسے دل ہی دل میں داد دینے لگا۔ حالانکہ وہ خود بڑا ہیروست اداکار تھا لیکن دسم کی ایکٹنگ بھی لا جواب تھی۔

"سرور! میں بڑی مصیبت سے فرار ہوا ہوں۔ ان لوگوں نے مجھ پر بہت عزم کیا لیکن میرے من سے ایک نقطہ نہ ٹکھوا سکے۔"

"شباباش! دسم اس کا انعام دیں گے دسم! یہیت خاں نے زوردار قہقہہ لگا دیا۔

اچانک وہ سنجیدہ ہو گیا۔

"یہ کیوں ہے؟" اس نے عامر کی طرف اشارہ کیا۔

"سرور! راجے بڑے کام کی چیز ہے۔ اس کی مدد سے میں فرار ہوا ہوں۔ یہ فریضہ سولا ہے اس کی معافی خیر نفس پر نہ چاہنا۔ بڑا کائیاں اور بہادر انسان ہے۔ سرور! یہ میرا پرائیوٹ تھا لیکن بہت

”جواب معلومت کا بھی کوئی نفاذ ہوتا ہے آپ کو کیا نہیں کرنا چاہیے تھا۔“ وہم نے لے لے کر کہا۔

”چپ چاپ سوچا چلا کر کیوں میرے کان کھڑے ہو۔ تم میرے طرہی کر رہی نہیں آئے۔“ عامر نے کہا۔

”کمانا قسم ہو چکا تھا۔ وہ دونوں اپنے لیے پیلے سے سوچو چار ہاتھوں پر لپٹ گئے۔ وہم نے دیکھ کر حیران رہ گیا کہ عامر کو ذرا پرانے بھی صورت حال کی نیکی کی نظر نہیں ہے۔ وہ تو خود ہی ہندی ٹھوڑے بچ کر سو گیا۔ جب کہ لڑکے کے بارے وہم ساری رات کو نہیں بدلتا رہا ہے۔ وہ نہ کہ ایک ہی لڑکے کمانے چارہ ہی تھی کہ عامر سردار کے آدھوں کا مقابلہ کیسے کرے گا۔

”مگر انہوں نے ناشتہ کیا تو حیرت خاں نے انہوں کو باہر بلوایا۔ باہر ایک چھوٹے سے میدان میں اس کے باقی خشتے دائرے کی شکل میں بیٹھے تھے۔

”ان میں سے کسی ایک کو بھی مقابلے کے لیے جن لوگوں“ اس نے عامر کو مخاطب کیا۔

”یہ تمہاری مرضی ہے سردار! جو تمہارا اب سے بہادر آدمی ہے اسے میرے مقابلے پر بھیج دو۔“ عامر نے لاپرواہی سے کہا۔

حیرت خاں نے ایک لمحے کے لیے سوچا، پھر اپنے ایک ساتھی سے حیران میں سب سے زیادہ بڑا نکلا اور جس کا تھ چھوٹ سے بھی زیادہ تھا، مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

”گل خاں! اگر اس بڑے کو آنے والی کامیابی سمجھانا۔“

”یہ بے چارہ میرا مقابلہ کیا کرے گا۔“ عامر نے اس کے تھکے کا بازو ہلکے کر زبردستی مسکراتے ہوئے کہا۔ حالانکہ اب اسے اعزاز ہونے لگا تھا کہ خواجہ کو ایک مصیبت ملے ڈال لی۔

گل خاں حیرت خاں کا نائب اور اس علاقے کا مانا ہوا خٹہ دہی تھا۔ عام حالات میں وہ ایک انسان سے زیادہ جتن دکھائی دیتا تھا، کیونکہ اس کا رنگ بھی عام لوگوں کے برعکس کالا تھا۔

”میں اور اس نیکڑے سے مقابلہ کروں۔“ اس نے عامر کو دیکھ کر قہقہہ لگا دیا۔ قہقہہ لگانے میں ہائی فنڈول نے بھی اس کا چہرہ ساتھ دیا۔

”اے بتا کر گول کے ڈرامہ ابھی تیری ساری ہوا اٹھ جائے گی“ عامر نے کچھ اس طرح ہاتھ ہاتھ کر کہا کہ وہ اس سوچو جس ہی لوگ ٹھٹھکا کر نہیں چڑے۔

گل خاں کی آنکھوں میں تو جیسے خون اتر آیا اس نے اپنی رائفل ایک طرف پھینک دی اور عامر کی طرف دونوں ہاتھ پھیلائے اس طرح بڑھا جیسے اس کا گھوڑا کھڑکراتے مارے ڈالے گا۔

”اس کے جسم کو تو دیکھو۔“ یہ فوجیوں کا دھمکانا تھا۔

”اسے یہ کالہ کار کو کافی دے دیا ہے۔“ حیرت خاں نے عامر کی طرف دیکھ کر قہقہہ لگایا۔

”وہ تو بھروسہ رکھنے کا ہوا ہے آدمی اس۔ زیادہ دانت لگانے کی ضرورت نہیں۔“ حیرت خاں نے دیکھ کر ہنس دیا۔

”عامر نے ہنسنے سے کچھ روک رکھا تھا۔ اس کی ہمت خاں کے چہرے کی رنگت ایک دم بدل چکی تھی۔ اس کی بات عمل ہونے کی ہمت خاں کے چہرے کی رنگت ایک دم بدل چکی تھی۔ اس کی بات عمل ہونے کی ہمت خاں کے چہرے کی رنگت ایک دم بدل چکی تھی۔

”تم میرے کسی آدمی سے مقابلہ کرے۔“ حیرت خاں کی غول خوار آواز سنائی دیتی۔

”ہاں کروں گا۔“ عامر نے اس طرح جواب دیا جیسے کان سے کبھی اڑا رہا ہو۔

”تھیک ہے۔“ گلے اپنے لڑنے دیکھنے کا شوق ہے۔ ایک بات یاد رکھنا، اگر تم ہمارے میں نہیں سوچو تو کوئی ماروں گا۔ اگر بیت گئے تو تمہاری قسمت جگا دوں گا۔ میں بہادر انسانوں کی تو کرتا ہوں۔“

”تھیک ہے تھیک ہے۔“ عامر نے لاپرواہی سے کہا۔ ”جسے مرضی بلا لو۔“

”نہیں، اس وقت نہیں۔ سردار حیرت خاں کے بھی کچھ اصول ہیں۔ تم لوگ لہا سڑ کر آئے ہو آرام کرو۔ کل کی بجائے نہیں گے۔“

اس کے بعد اس نے اپنے ایک ساتھی کو ہتھیار ڈالنے میں کچھ کہا اور وہاں سے چلا گیا۔ یہ فوجیوں کو اپنے ساتھ لے کر ایک کمرے میں چلا آیا۔ عامر یہ دیکھ کر حیران ہی رہ گیا کہ اس غیر آہستہ پرامن طریقے میں یہ چھوڑ کر تین سارے انسانوں سے نہیں کمرہ کہاں سے آگیا اسے یوں لگتا تھا جیسے وہ کسی فوجی سپاہی کے پاس تھا۔

”توڑی ہو رہی ایک مازمان کے لیے پر تھک کھانا رکھ کر چلا گیا۔

”جواب یہ آپ نے کیا کر دیا اس طرح تو ماننا پھیل بگڑ جائے گا۔“ چھائی نے دیکھ کر عامر سے کہا۔

”تم چپ ہو جاؤ یا اسے دیکھے ہیں میں نے ایسے دیسے سردار۔“ عامر نے اس کا منہ ڈالنے سے کہا۔

میرے اپنے پر سے پائے جاؤں گا خاری کر گئے تھے جیسے اس سے خوف زدہ ہو گیا ہو۔
 مگر میں اپنے ذہن میں آگے نہ بڑھا۔ قائد عارف نے اپنا کبھی نہ بولنے کی اور وہ جس کے گل زمین پر کر گیا۔
 اس کے ذہن پر گئے ہیں اس کے ساقیوں نے پھر قبضہ لگایا۔ قبضہ کی آواز نے گل خان کی حالت بد
 کما سے بڑھ کر گئی تھی۔ ۱۹۱۱ء اور افغان اور ہٹنے سے کھولنے ہوئے عارف کی طرف سے یہ حالت
 عارف عارف نے کوشش کی تھی کہ اس کی باتوں کے درمیان سے نکل جائے لیکن اس کا ایک ہاتھ کی طرف
 گل خان کے قبضہ میں آگیا اس نے چاہا کہ گل دے کہ عارف کا ہاتھ توڑ ڈالے لیکن بہت ساری باتوں
 کے ساقیوں نے ہڈی جڑا دی تھی کہ عارف نے اپنے پاؤں زمین پر لٹکاتے ہوئے قہر بازی لگائی
 اور خود کو گل خان کی گرفت سے آزاد کر لیا۔

اس کے ساتھ ہی اس نے دوبارہ افغانی دست لگائی اور گل خان کی گردن پر سوار ہو گیا۔ گل
 خان کی سلاخی کی طرح چھکارا ہوا تھا۔ عارف نے اپنی دونوں ہاتھیں اس کی پسلیوں پر جمائیں اور دونوں
 ہاتھ جوڑ کر زور دیا۔ عارف اس کے سر پر چڑھا۔ اس کے ساتھ ہی وہ جست لگا کر زمین پر آ رہا۔ جانے اس
 نے گل خان کے سر پر کیا ضرب لگائی تھی کہ اسے چکر آ گیا۔

زمین پر تو عارف کے پاؤں گویا جگتے ہی نہیں تھے۔ اس نے سیدھے ہوتے ہوئے اچھل کر
 ٹانگ لگ کر گھاٹ کے پتے پر پڑا اور وہ کھلے ہوئے شہر کی طرف زمین پر گر پڑا۔
 عارف اس کے جسم پر پڑے مسخر خیر انداز میں سرس کے جو کرلوں کی طرح ہانپتے لگا۔ ایک
 روز گل خان کے جسم نے جنسی کی پھر وہ بے ہوش ہو گیا۔

"نکاحی خیمہ ختم نے باقی نہیں کمال کے آدمی سے ملایا ہے۔"
 اس کے بعد عارف کی طرف بڑھا۔

"جو ان آج سے تم ہمارے نائب ہو۔" اس نے عارف کا ہاتھ اٹھا کر اعلان کیا۔
 بہت ساری اس اعلان سے بہت سے لوگوں کے چہرے تن گئے۔ بعض نے خوشی کا بھی
 اظہار کیا اور کئی بات عارف چاہتا تھا۔

☆☆☆

دہلی کے عارف نے اپنا عہد سارا تسلیم اس لڑے کے نزدیک ہی ایک پہاڑی میں چھپا دیا
 قلعہ بہت ساری باتوں کی کی جرات نہ تھی کہ اس کی کسی بات پر شک کرتا۔ وہ چلتا ہوا
 پہاڑی کے قریب گیا اور ایک قدرے مخوف آدمی میں پڑ کر کیپٹن علی سے سلسلہ ملانے لگا۔
 علی نے دیکھ کر ہنسی چائی تھی اس کے پیغام کے خیر تھے۔ جیسے ہی عارف لائن پر آیا کیپٹن

علی نے اپنا ہاتھ اس پر لگایا۔
 عارف نے خوب سرجا مصلحتاً لگا کر اسے اپنے کمرے کی خبر کر دی تھی۔
 "وہ میرے شیر دوست ہیں۔ کبھی تو تم کمال ہی کر دیتے ہو۔" علی نے اسے اشارہ دیتے ہوئے کہا۔
 "جی ہاں! عام حالات میں تو میں بالکل گمراہ رہتا ہوں۔" عارف کے کچھ میں خوشی ان
 حالات میں بھی برقرار تھی۔
 "اس کا فیصلہ بھی ہوتا رہے گا۔ فی الحال کل تک کے لیے یہ معاملہ۔"
 عارف بیلو بلو ہی کرتا رہ گیا۔ سلسلہ منقطع ہو چکا تھا۔

اب کیپٹن علی نے درگاہ کے ساتھیوں کی مدد سے رات کے اندھیرے میں بہت ساری
 اس قلعہ نما مکان کے نزدیک واقع ایک پہاڑی کی چوٹی پر ایک کیمپ لگایا تھا۔ اس کیمپ سے وہ لوگ
 دور بین کے ذریعے حالات کا چوری چھپے جائزہ لیتے رہتے تھے۔

بہت ساری نے خواہشمند ہو کر کیمپ اپنے مکان کے اندر ہی بنا رکھا تھا۔ یہاں سے کسی کے
 فرار ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ درگاہ نے علی کو تجویز پیش کی تھی کہ رات کے اندھیرے میں وہ
 اپنے ساتھیوں کے ساتھ اس مکان پر حملہ کر کے بچوں کو آزاد کرالے لیکن کیپٹن علی نے یہ تجویز رد کر دی۔
 اس طرح کسی بچے کی موت کا خطرہ بھی ہو سکتا تھا اور وہ کسی مصمم بچے کی جان کا خطرہ مول لینا نہیں چاہتا
 تھا۔

وہ کوئی ایسا منصوبہ تیار کرنا چاہتا تھا جس کی مدد سے پہلے بچوں کو محفوظ کر لیا جاتا۔ اس کے بعد
 ہی وہ لوگ حملہ کرتے۔ پھر اس نے ایک تجویز تیار کر لی اور رات اس کی کاسیانی کی دعا کرنے لگا۔

کیپٹن علی عارف سے خود رابطہ قائم نہیں کرتا تھا۔ اس طرح عارف کے گرفتار ہونے کا خطرہ
 درپیش تھا۔ اس نے عارف کو ہدایت کر رکھی تھی کہ وہ خود ہی دن میں کم از کم ایک مرتبہ اس سے رابطہ قائم کر
 کے اسے حالات سے باخبر رکھا کرے۔

اس روز جب عارف نے موقع پا کر کیپٹن علی سے رابطہ قائم کیا تو اس نے عارف کو سچے منصوبہ کی
 اطلاع دے دی جو اس نے تیار کیا تھا۔ اس منصوبے میں نیچے ایک اہم رول ہوا کرتا تھا۔

بہت ساری کی طرح کچھ اور غلطی بھی یہاں بچوں کے انگوٹھ کے کارڈ ہار میں لٹوت تھے اس
 روز صبح وہ ایک بچہ کو پکڑ کر لے آیا جس کے جسم پر پائے کے کپڑے تھے اور صاف ظاہر ہو رہا تھا
 کہ وہ فرار ہو کر آیا ہے۔ اس نے بچے کو اپنے قائم مقام سردار عارف کے سامنے پیش کیا۔

"سردار! یہ بچہ ہادی گل کے کیمپ سے بھاگ کر آیا ہے اور علاقہ سے نکل رہا تھا کہ میں نے

અન્યથા

۱۲۸۰

”تمہاری اہلیہ اس لیے کہ وہ تمہاری بہن کا ہوتی ہے۔ اس دوران میں نے وہاں شروع کر دیا۔“

”جے جے اسے یاد کرو کہ“۔ ”تھامنے کی طرح زوردار قبضہ لگایا۔ اس کے ہاتھ

☆ ☆ ☆

جب سے گل خان نے عامر کے ہاتھوں تک اعلیٰ قہمی اور انتظام کی آگ میں مل رہا تھا۔ وہ
کسی طرح کی تلاش میں رہتا تھا کہ عامر کو کچھ کھا سکے۔

کئی غلطی سے ترقیوں کے معاملے میں بھی بڑا عالم واقع ہوا تھا۔ معمولی سی بات پر اسے

انسانوں کے بائیں ہاتھ کا ٹھیکر اس لیے اس کے ساتھی بھی اس کے خلاف ہو رہے
انے حاضر کے نائب سردار فقیہ ہونے پر بڑی خوشی کا اظہار کیا تھا۔

بہار ۱۹۱۱ء میں ملکیت چاہا تھا ایک شخص مل حال کا قاضی تھا اور دوسرے سردار کا۔
 حق ناصر کے ہاتھ آیا سوچ آ گیا تھا جس کا وہ بڑی بے چینی سے شکر تھا۔ اس نے سردار
 اعلیٰ حق کی کڑی جہاں کا ایک لڑک بھر کر تھوڑا سا سے ملتا ہے۔ حوالہ: فیض، غفر ملک

ایضاح ہے حالت کے پیش نظر اس مہر جوک کے ساتھ کل خاں کو بھیجا جائے۔ ”دیس

۱۰۔ اکیلا فیصل ہے اب سردار "فیت خاں نے عامر سے پوچھا۔

میری نظر میں تو اس کے علاوہ اور کوئی ایسا شخص نہیں جس پر اعتبار کیا جاسکے کیونکہ ہم انھیں شرعاً منع کرتے ہیں۔

55

”تم چپ کیوں ہو گئیں تھیں؟“ اگلے کئی دنوں میں ”فیثت نکالتے اس کی طرف کچھ کر دیا۔“

”جانا کل کتاب پورہ حاصل ہو چکا اور وہ معارف میں سے تمہارے لکھے ہیں۔“ طائر نے جواب دیا۔

”زیادہ باتیں نہ کیا کرو، سوار کا احترام ہے، وہ شاپ تک تمہیں.....“ کل خاں نے وائپر کے حاکم کو قہقہہ بولتے دیکھا۔

”میں معافی چاہتا ہوں سر دار“۔ گل خاں گرجا گیا۔

”ٹھیک ہے، تم کل دس بجے تک کے لئے رونا مت بوجھا۔“ میری ماں نے اپنا ایلر کیا۔

لوہی تھی۔ زوجہ اس کے ساتھ ہی بیٹھا تھا۔ جب اچانک علی کے ہاتھ میں پکارے فرانسس
لوہیچہ اہو نے لگی۔

فرانسس پر عامر نے انہیں خبر دی کہ وہ گروان ہو چکا ہے۔ لی نے حریف کو ایسا
مل آف کر دیا۔

اچھی رات دیر دست اندازی چینی اور سڑک کے کنارے تھے جس کی وجہ سے وہ وقت درمحل اور اس کے ساتھیوں نے طلیٰ کی ہدایت پر سڑک کے درمیان ایک طرف

(۱) اچھا، جیسو، آج صبح میرے گھر کو نہ جاؤ۔

جلدی انجیس ایک دور کی پہاڑی پر تاریخ جلتی بجتی نظر آتی۔ یہاں بات کا اشارہ

اب انہیں ترک کی پہلے انہیں بھی غمغنائے لگی تھیں۔ سب لوگ چہ کئے نہ کر سکتے تھے۔

[illegible]

سہارا اور اچھے سے کہا۔
"آج سے تڑکڑ بچتے ہیں۔" پھر کہہ دیا کہ میں ہسپتال تھا سے چھپا تڑا آیا۔

پھر یہ اس کے پاؤں زمین سے گئے۔ اور میرے میں ایک بھاری میں پیچھے پیچھے چلے گئے۔
 ہاتھ دلا کر اس کی ٹانگ چھوئی۔ زمین پر گرے یہ اس کی کپڑی پر چلے گئے اپنے ہاتھوں کو دھو کر اس کی
 ایک یہ ضرب آئی اور وہ اسی طرح کی گئی تھی۔ وہ اب مرنا چاہتا تھا۔

۱۱۔ ہری طرف سے اترنے والے ذرا نیور کے ساتھ بھی یہی سلوک درگاہ نے کیا تھا۔ اس کے لئے ذرا نیور پر پشت سے حمل کیا اور اٹھل کے ذرا ہارٹ سے اسے زمین چاٹنے پر مجبور کر دیا۔

☆☆☆

علی نے یہی کہتی ہے۔ وہ ہوش نگ خاں کو دھکا دے کر ترک کے نیچے گر دیا۔ دوسری طرف
یہی علی ترک نے دھریلا۔ اب وہ دونوں زمین پر لٹ پڑے۔ علی نے ترک کے چھیلے ہاتھ کے نزدیک پہنچ گئے۔

پچھلے جتنے دنوں میں وہ معاشی پیمانوں کے سروں پر داخل ہوئے تھے جب تک کہ وہ ایک بار سے کوئی حرکت نہ کر سکیں ان میں سے ایک داخل ہونے والے چھ ماہ تک کے لیے آتا ہے۔

زمین ہر لمحہ ہی نئے نئے کی پھٹی ہوئی پر ہستول کا دستہ آڑا دیا اور وہ منہ کے بل چپے آگرا۔
اس کے ساتھ ہی اس کے گرد بھنے بھنے برقا مت لوٹ گئی۔ اس کے زمین پر منہ کے بل آگرا۔

آواز پیدا ہوئی تھی اس نے اندر موجود جمشاد کی تصویر تھال کی سنگینی کا احساس دلایا۔ اس نے آؤ دیکھنا
تو نور نے اس کے چہرے پر ایک طرح کی کڑواہٹ دیکھی۔ وہ جانتا تھا کہ نور نے اس کے پاس سے گزرتے ہی اس کے

پہلے ہی چار تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کی آواز سے لوگ ہوشیار ہو جائیں کیونکہ انہوں نے یہ سارا

فی کے ہوتے پہلے ہی سے اس طرف تھا اس نے بھاگتے ہوئے معاش کی تاجک کو نشانہ بنایا۔

”وہ کھوسہ دار امیرے آدمیوں نے سارا علاقہ چھان لیا ہے۔ راستے میں کسی ہنگامے کی کوئی

دھرم کے لئے جان و مال کی قربانی کرنا۔

دو دن کی سہولت
 "تم جانتے ہو ان پر ملاؤں میں بیٹے والی ایک بھی گولی کی آواز سیکوں دو رنگ بنائی دیتے
 مگر ان گولیوں کی آواز سن کر وہاں سے اٹھ کر نکلے۔ اس نے مجھ سے اٹھ کر نکلے۔
 ہے۔ لیکن ایک بار گولی گئی۔ وہاں سے اٹھ کر نکلے۔ اس نے مجھ سے اٹھ کر نکلے۔
 اور جب کہ وہاں سے اٹھ کر نکلے۔ اس نے مجھ سے اٹھ کر نکلے۔

"وہ کیسے؟" "تو مجھے معلوم ہے کہ وہاں سے اٹھ کر نکلے۔ اس نے مجھ سے اٹھ کر نکلے۔
 "نہرو اور اصل میں جب سے میں تمہارا نائب رہا ہوں وہاں سے اٹھ کر نکلے۔ اس نے مجھ سے اٹھ کر نکلے۔
 ہو گئے ہیں۔ انہیں شہادت پر ضرور بھی ہے کہ مجھے تمہاری حمایت حاصل ہے۔ اس روز بھی تم نے کل خاں
 کو میری خدمت میں ڈاکٹور دیا تھا۔ اس نے بچے کی اور پارٹی کے پاس فروخت کر دیئے ہیں اور اس
 اپنے ساتھیوں سمیت ڈاک سے کرنا چاہا ہو گیا ہے۔" "حاضر نے آخری تیر بھی چلا دیا اور اس کا یہ تیر بھی
 لگتا ہے بڑا۔"

"واقعی بات یہ ہے کہ انہوں نے ان میں سے چھوڑ دیں گا نہیں۔" "حیثیت خاں بیلا
 "نہرو اور اصل میں جب سے میں تمہارا نائب رہا ہوں وہاں سے اٹھ کر نکلے۔ اس نے مجھ سے اٹھ کر نکلے۔
 تو اس سے بھی کالی کرنا چاہا ہو گیا ہے۔ اس نے مجھ سے اٹھ کر نکلے۔ اس نے مجھ سے اٹھ کر نکلے۔
 اس سے شہادت ہے۔" "حاضر نے اس کی رائی دلی۔
 "اسے یہ کیسی مشکل بات ہے۔ انہیں بلاؤ اور ایک ایک کر کے گولی مار دو۔" "حیثیت خاں
 نے ہنسنے سے کھلے ہوئے کہا۔

"نہیں نہرو! جلد بازی نہ کیجیے۔ ہمیں ہڈیات کے بجائے عقل سے کام لینا ہے۔ تم
 انہیں روکو۔ پہلے انہیں فرسٹ کرنا ضروری ہے۔ اگر وہ لوگ مقابلے پر آئے تو خواہ مخواہ ہمارے ایک
 آدمی مارجا کو جان سے ہاتھ دھونے پڑیں گے۔"
 "تم کیسے تو ٹھیک ہو گئے۔"

"میں اب بھی چھوڑ رہا ہوں۔ انہیں ڈانٹنا کون سے فن لینے دو۔ پھر بس دیکھو تمہارے گل خاں
 کو لے کر کیسے آجائیں۔"

"شاہاں! تم اپنی سر سے بھیج جائیں۔"

☆☆☆

نیچے کو پہلے ایک توڑی شکل پیش آئی۔ وہ جس کسی سے فرار کی بات کرتا وہی بچہ خوف کے
 اندر دوسری طرف کر گیا۔ وہ اسے غور سے دیکھ رہا تھا کہ یہاں سے کبھی فرار کا تصور بھی ذہن میں نہیں لا
 سکتے تھے۔

شاہاں! اس کے اس روز اس نے اپنے ساتھ وہاں سے اٹھ کر نکلے۔ اس نے مجھ سے اٹھ کر نکلے۔
 دوسری دویم کی تھی۔ رات کو ان چاروں کو ایک ہی ڈنگھان کے ایک ایک کپڑوں میں لپیٹ کر ہاتھ باندھا
 تھا۔

اس روز رات کے وقت جب چاروں کو باغیچے کی پارٹی تو نیچے جانے پر مجبور کر دیا
 چاروں میں سے ایک ایک کپڑا ہاتھ باندھا۔ اس نے بڑی خوشی سے اس کی کاپی لے لی۔
 ان سے کچھ قائلے پر ایک کپڑے پر دوسرا اور تیسرا توڑی اور پھر ہی ہم نے نیچے کو نکلتے
 دیکھا کہ وہاں سے چل کر دیکھا کہ اس اشارے کا مطلب یہ تھا کہ مجھے منسوب پر عمل شروع کرو۔
 نیچے نے جب دیکھا کہ پھر سے وہاں سے ان کی طرف چل کر گئی ہے تو اس نے اپنے ساتھ
 سے اپنا ہاتھ نکھولا اور پاؤں آڑ کر دیکھا۔ اس کے دلوں میں اس کے ساتھ ہی بندھے تھے۔ انہوں نے
 بھی ڈرتے ڈرتے پتھر آواز پیدا کیے۔ زنجیر دھلی کی اور خود کو آڑ کر دیا۔

نیچے نے اپنی جگہ سے پھر سے داری طرف کھٹکنا شروع کر دیا تھا۔ ہاتھ باندھے ہوئے اس کی
 طرف دیکھ رہے تھے۔ اگر پھر سے دارا اس طرف دیکھ لیتا تو نیچے کو فوراً گولی مار دیتا۔ لیکن جھوٹک لٹنے کے
 بعد اسے پرکونی بھی ٹیک کام کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی مدد بھی ضرور کرتے ہیں۔

پھر سے دارا دوسری طرف کیسے سرگت لٹکے۔ لگاؤ اس نے اپنی رائفل کرسی کے ساتھ
 لگا رکھی تھی۔ اس کے تو وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں آ سکتی تھی کہ کبھی کوئی یہاں سے ہٹ جائے گا تو وہ بھی
 کرے گا۔ آج تک کسی بچے نے اس کیس سے فرار ہونے کی جرأت نہیں لی تھی۔
 نیچے جیسے جیسے اس کی طرف بڑھ رہا تھا اس کے ساتھیوں کو اپنا دم کھٹکنا محسوس ہو رہا تھا۔ پھر
 انہوں نے ایک عجیب و غریب منہ دیکھا۔ نیچے نے اچانک لپک کر رائفل اٹھائی۔ لیکن ان لحظات میں
 پھر سے دارا نے اس طرف منہ کر لیا۔

وہ تو نیچے کے ہاتھ میں رائفل دیکھ کر ہکا بکا ہی رہ گیا۔ حیرت سے اس کا منہ کھلا ہی تھا جب نیچے
 نے رائفل کھٹک کر اس کا بٹ پھری قوت سے پھر سے دارا کے منہ پر مارا۔ وہ الٹ کر پڑے جا کر اس
 سے پہلے کہ وہ سنبھل سکے نیچے نے دو بارہ رائفل کھٹکی اور اس مرتبہ اس کے سر کو ٹھانڈا نکالا۔ اب اس میں
 اٹھنے کی سکت ہی باقی نہیں رہ گئی۔

"شاہاں! اہمیت کرو لکھو۔" اس نے اپنے ساتھیوں کو جوش دکھایا۔

نیچے کے اس کارنامے نے ان پر بڑی جرأت پیدا کر دی تھی۔ اس نے اپنے دونوں ساتھیوں
 کی مدد سے چاروں کو محض ایک منٹ میں آڑ کر لیا اور پہلے سے طے شدہ منصوبے کے مطابق وہ لوگ دو

ایک نئی خبر

مقابلہ زوروں پر تھا۔ ہیبت خاں اور اس کا نائب ٹاور خاں ایک مضبوط سورہے میں بیٹھے تھیں۔ جب وہیم کو انہوں نے بھانجے ہوئے اس طرف آتے دیکھا۔

”سردار! ہمارے آدھے سے زیادہ آدمی مارے جا چکے ہیں۔ چھی جلدی ممکن ہو نکل چلو۔ ان لوگوں نے اپنی مدد کے لیے دوسرے قبیلے کے لوگوں کو بھی بلا لیا ہے۔“ وہیم نے ہانپتے ہوئے منسوبے کے مطابق بتایا۔

”ارے ان کی ایسی تھی۔“ ہیبت خاں نے اپنی رائفل اٹھا کر باہر نکلتا ہوا۔

”سردار! بے وقوف مت بنو۔“ اچانک اس کے نائب نے ہیبت خاں کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ”ابھی ان لوگوں کا پلہ بھاری ہے۔ فی الحال یہاں سے نکل جانے ہی میں مصلحت ہے۔ ہم تازہ ملک لے کر صبح تک واپس آ جائیں گے۔ اگر دوسرے قبیلے کے لوگ ان کی مدد کو پہنچ گئے تو ہم سب تھکے کی موت مارے جائیں گے۔“

”کہتے تو تم ٹھیک ہی ہو۔“ ہیبت خاں بولا۔ ”آؤ اپنی منزل کھوٹی نہ کرو۔“

عامر نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور وہ تینوں ایک دوسرے غصہ راتے سے باہر آ گئے۔ یہاں ایک جیب ان کی خطر تھی۔

”یہ کیا؟“ ہیبت خاں نے حیرانگی سے پوچھا۔

”میں آپ کا نائب ہوں سردار! اور آپ کی جان کی حفاظت میری ذمہ داری ہے۔ میں بڑے حالات کا بندوبست پہلے ہی کر لیا کرتا ہوں۔ یہ جیب میں نے اسی لیے بروقت تیار رکھی تھی کہ اگر خدا فرماتا ایسا کوئی موقع آ جائے تو ہم اپنی جان بچا سکیں۔“

گردان شہر سے گرد و بار اس سے بچ کر گزرے ہوئے۔

☆☆☆

میں اپنی حالت میں باہر نکل کر شروع ہو گئی۔

پاکستان وہیم کا تھا جس نے نکلنے کے ساتھیوں کو ہیبت خاں اور اس کے نائب کے خلاف ہڑتال کا دورہ اٹھارہ کی جی کر ب وہ لوگ ان کو غیر مسلح کر کے جان سے مارنے کا بندوبست کر کے اسے لے گیا۔ یہ نکلنے والے ساتھیوں نے جیل میں ہی ہیبت خاں پر نازک شروع کر دی تھی۔ وہیم اسی دن ان بھانج کر بچے کے پاس آ گیا تھا۔ پھر وہ وہیم کی زیر نگرانی اس افراتفری کا فائدہ اٹھا کر قتل سے باہر نکلے۔

انہوں نے یہ بتا دیا کہ ہاتھ بھائی انہیں اسے وہاں تک دوسری طرف ہیبت خاں اور اس کے ساتھیوں کے ساتھیوں کا مقابلہ کرتے ہوئے آٹھ میں کٹ مر رہے تھے۔ وہیم انہیں ایک انتہائی خطرناک راستے سے قریب لایا جہاں نازک تک وہ لے آیا جہاں زرنگ کے ساتھی ایک ٹرک پر ان کے منتظر تھے۔

پچاس کوڑک میں سوار کر دیا گیا۔ جو بقیہ رات رانی سے ترنوال کی طرف روانہ ہو گیا۔ جہاں سے انہوں نے پچاس کوڑکس کے تحفظ انہوں میں منتقل کر کے زرنگ کے ساتھی اپنے ڈیمے سے پرواہیں بھیج دیں۔



[illegible][illegible]

”تمنا ہے کہ میں انہیں کرم کر کر رہا ہے۔“ مچھلی سیٹ سے جواب آیا۔
 ”یہ کیسے ہو گی؟“ وہ حقیقت پر ہل کے نیچے چپ کر بیٹھا تھا۔ اس نے پستول مچھلی سیٹ میں
 سے برکت مل کر اٹھانے سے انکار کیا۔
 ”اگر میں اسے مار کر نکال دوں؟“ برکت حاکم فتنے سے چلا آیا۔

یہ بات ہے یہاں تک کہ اس کے خلاف کسی نے احتجاج نہیں کیا۔ یہ تو میرا بھی راز ہے۔

”تمہاری انکا تجویز“ قیامت مآں نے کوئی حرکت کرنا چاہی کہ اچانک کیپٹن علی نے اپنے ہاتھوں کے نیچے کیڑا مارا جس سے ان کی کچلی پر لگائی اور وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔

”یہ مطلب اچھی میری آنکھوں کے سامنے میرے سرداری تو ہیں۔“ عامر نے گرجاں مڑا
 راضی ہو کر دیکھا۔

”پتلے دھڑ دھڑا کرے گا سہم بھی۔“ علی نے قہقہہ لگا دیا اور تینوں ہنس دیے۔
 زونل تک کئی غلطیات دلا دیا آپا تھا اس نے عامر کو بتایا تھا کہ ٹیپ بھی اپنے ساتھی بکوں
 کے ساتھ ایک دوسرے کی طرف بھیج دیا ہے۔

انہوں کی سرحد پر آئی سی آف ریاضی صاحب ان کے خطر تھے۔ انہوں نے یہ عقیم کارنامہ سر
جہاں پہنچے۔ لیکن علیٰ حوالہ کے ساتھ ان کو دوسری کیونگی اعتبارات نے بچوں کے انہماک کی وارداتوں پر

پولیس کی خوب خوب خبر لی تھی۔

اچھے دوست ہیں علی نے زر کل کا شکریہ ادا کیا اور دو لوگوں کو ایسے ترانوے ملے جو جہاں سے آئے۔
پہلی کا چارن کو دار الحکومت لے آئے۔

☆☆☆

انجیل پارسہ بڑی مستعدی سے ان کی غیر ماضی میں پتھر کے گھر کی گھرانی کر رہا ایک
روز اسے ملی کی طرف سے اطلاع ملی کہ پتھر کے گھر پہنچا ہر گز سے گرفتار کر لیا جائے۔ جب انجیل
پارسہ اپنی بیوی کے ساتھ پتھر کے گھر میں داخل ہوا تو وہ کہیں جانے کی چوٹی کر رہا تھا۔ اس کے ساتھ
کیس پر انجیل پارسہ نے جھڑک کر لیا اور وہ لوگ پتھر کو گرفتار کر کے بچے کو مار رہے تھے۔ اس کے گھر کی
حالی کی کوئی خبر وہاں سے نہ ہو سکی۔ جب وہ رعب جسم کا کیسیل پاؤں پر آ رہا تھا تو عجیب کے لیے
انجیل پارسہ نے پولیس لیڈا غری میں بھیج دیا۔

اس وقت کھیتیں ملی، چاروں درختوں پر پھل پھل رہا تھا اور ان کے درختوں میں موجود تھے اور ان کے درختوں میں کھیتیں ملی کھیتی تھیں۔

علی نے فون اٹھایا۔ دوسری طرف سے اس کے چھپے کے ڈاکٹر کمرل شیرازی اس سے مخاطب تھے۔ انہوں نے علی کو آفس بلایا تھا۔ آئی جی مسٹر آفریدی بھی کمرل شیرازی کے پاس ہی بیٹھے تھے۔ جب علی اپنے آفس میں پہنچا تو کمرل شیرازی کے سامنے ایک رپورٹ چاہپ کی ہوئی رکھی تھی۔ انہوں نے دور پورٹ اٹھا کر علی کو نہانے کے لیے دے دی اور ساتھ ہی کہا۔

”ہماری لبریری میں تو اس پاؤڈر کا تجزیہ ممکن ہی نہ تھا۔ ہم نے ملک کے عظیم سائنس دان مسٹر منجی سے اس کا تجزیہ کروایا ہے اور انہوں نے یہ رپورٹ دی ہے اسے غور سے چاہو۔“

علی نے رپورٹ بڑھتی شروع کی۔ وہاں لکھا تھا۔

”یہ کیمیکل پائوڈر انتہائی خطرناک ہے اور انہی اسلحہ کے لیے بھی استعمال ہو سکتا ہے۔ اس سے تیار ہونے والا گولیہ بارود انتہائی چاؤ کی تابوت ہو سکتا ہے۔“

”آفریدی صاحب تو پھر بٹ وکیہ کر چکا گئے ہیں۔“ کرنل شیرازی نے سگراتے ہوئے کہا۔

”جناب امامت علیؑ کی ہے۔“ آفریدی صاحب نے تشویش کا ہر کی۔

”سرا آپ بے فکر رہیں۔ خدا نے چاہا تو ہنسا، اللہ ہم اس سازش کو بھی شکست کا کام نہ دے گا۔“

میں نے ایک کڑی کی قسم کھائی کہ میں نے اس کی رہائی کی سزا نہیں دی گئی ہے۔

میں نے ایک کڑی کی قسم کھائی کہ میں نے اس کی رہائی کی سزا نہیں دی گئی ہے۔

میں نے ایک کڑی کی قسم کھائی کہ میں نے اس کی رہائی کی سزا نہیں دی گئی ہے۔

میں نے ایک کڑی کی قسم کھائی کہ میں نے اس کی رہائی کی سزا نہیں دی گئی ہے۔

میں نے ایک کڑی کی قسم کھائی کہ میں نے اس کی رہائی کی سزا نہیں دی گئی ہے۔

میں نے ایک کڑی کی قسم کھائی کہ میں نے اس کی رہائی کی سزا نہیں دی گئی ہے۔

میں نے ایک کڑی کی قسم کھائی کہ میں نے اس کی رہائی کی سزا نہیں دی گئی ہے۔

میں نے ایک کڑی کی قسم کھائی کہ میں نے اس کی رہائی کی سزا نہیں دی گئی ہے۔

میں نے ایک کڑی کی قسم کھائی کہ میں نے اس کی رہائی کی سزا نہیں دی گئی ہے۔

میں نے ایک کڑی کی قسم کھائی کہ میں نے اس کی رہائی کی سزا نہیں دی گئی ہے۔

میں نے ایک کڑی کی قسم کھائی کہ میں نے اس کی رہائی کی سزا نہیں دی گئی ہے۔

میں نے ایک کڑی کی قسم کھائی کہ میں نے اس کی رہائی کی سزا نہیں دی گئی ہے۔

میں نے ایک کڑی کی قسم کھائی کہ میں نے اس کی رہائی کی سزا نہیں دی گئی ہے۔

کتابیں پڑھ کر ان کے لئے قیل نہیں ملتا۔ میرے سر کی حالت آپ

”جناب، وہیٹ خاں تو اس طاقت کا ادنیٰ سا نظام ہے جس کا تعلق اس ہیپیکل پاد“

[illegible]

کچھ عرصے کے اندر ہی یہ ایک سپاہی کو آواز دی۔ جس نے حوالات کے دروازے پر جہاں تک وہاں اس کے دونوں ہاتھوں کو پھنکڑی لگا کر باہر نکال لیا۔ اس نے سپاہی کو کہا تھا کہ جنگ کس کی آواز کی طرف لے جائے۔ علی کا خیال تھا کہ اگر بیشک یہاں کچھ نہیں بتاؤ چاہتا تو اسے اپنے ساتھ ہی لے کر نکال دیتا۔ یہ لے جائیں گے جہاں کہہ کر وہ شاید زیادہ اطمینان سے گفتگو کر سکے۔ سپاہی اور جنگ آگے آگے چل رہے تھے۔ سپاہی نے اس کی پھنکڑی اپنے ہاتھ میں پکڑ رکھی۔ قریب چلے گئے۔ دونوں ہاتھوں کے ساتھ انہیں کچھ چاربات دینے کے بعد ان کے قناب میں آ رہا تھا۔ جب پہانگ اس نے جنگ کو پکڑا کر گرتے دیکھا۔ اس کے ساتھ ہی سامنے کی آواز پیدا کرتی ہوئی ایک گولی اس کے سر پر سے گزری۔

اس نے فوج کو انہیں طرف دھکا دے کر گرا دیا تھا۔ عامر نے بائیں طرف چھلانگ لگا لی تھی

[illegible][illegible]

تھوڑی سی دیر بعد وہاں شیر کے قریب سی ای اہلی افران پہنچی تھیں۔ بلیک کے اس طرح مارے جانے پر سب سی ای پریشان دکھائی دے رہے تھے۔ کیونکہ ایک سی ای کا ہوا یہاں ملزم ٹھہرا رہا تھا جس سے پانڈور کے حقیقی کسی اطلاع کی امید کی جاسکتی تھی۔

ملکی کی حیثیت پر پولیس کے فوٹو گرافروں نے لاشوں کی تصاویر بنا لیں۔ پھر لاشوں کو پوسٹ ہاؤس کے لیے ہسپتال بھیج دیا گیا۔

وایسی کاسفرقیوں نے خاموشی سے طے کیا تھا۔ علی کے ذہن میں ابھی ایک اور کھرباتی تھا۔ اس نے اب ہیبت خاں پر قسمت آزمائی کا فیصلہ کیا تھا۔ ہیبت خاں کی نگرانی کے لیے علی نے اپنے اعتبار کے اور کافی آدمی متعین کیے تھے۔ اسے ایک غریب لڑکے کو لے کر رکھا گیا تھا اور ابھی تک اٹھارہ لڑکھوہوں کو بھی اس سے ملاقات کی اجازت نہیں دی گئی تھی۔



مشتبه نائب

ولیم بڑی تیزی سے لیکن کی طرف بھاگا۔ اس دوران نیچے اوپر اس سے بالکل واقف ہو کر اپنا چہرہ ہنسنے لگا۔ جیسے ہی ولیم پانی کا گلاس تھا سے گھبراہٹا ہوا کمرے میں واپس چلے جلی نے اسے اپنی طرف آنے کا اشارہ کیا اور اس سے پانی کا گلاس لے کر سارا گلاس اسے ملافت فی کیا۔ ولیم گھبراہٹ اور بے چاری کے عالم میں کبھی حاصر اور کبھی علی پر نظریں ڈال رہا تھا۔ ابھی تک اسے علی کی اس حرکت کی وجہ کچھ نہیں آتی تھی۔

”بے ہوش میں ہوا جناب، آپ نہیں۔“ حاصر نے اچانک صوفے سے اٹھتے ہوئے علی کو مخاطب کیا تو ولیم کو صورتحال کی سمجھا سکتی اور وہ مسکرا کر رہ گیا۔

ہوں وہ کسی اور جہاد جیسے ولیم کی شکل میں ان کے سامنے کوئی انسائیکلو پیڈیا دھرنا۔ یہ نہیں ہے۔
 اس میں اسی کی گفتگو میں ہی ان کی لے رہا تھا اور یہ بات کیپٹن علی کے لیے خلاف توقع تھی۔ عموماً
 وہ اپنے لیے کسی خارجی رکھتا تھا۔ جنگی جہازوں اور جنگلات سے متعلق تو ولیم کی معلومات ہاں کہ
 جنگی جہازیں اس طرح کی تھیں کہ وہ ان کے لیے کتنے کام کا آدمی رہا ہوگا۔

میں نے اس سے پتہ کیا تھا کہ علی کی یہ خواہش تھی کہ جس سفر پر وہ لوگ جانے والے ہیں اس میں وہ بھی ملے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کے ساتھیوں کو مل جائیں۔ رات گئے تک کسی کو کھانے کا ہوش نہ تھا۔ صبح سویرے جب ان لوگوں کو ضرورت ہوگی وہ خود کھانا کھائیں گے۔

”آپ تو ہوا سے بھی پیٹ بھر سکتے ہیں لیکن مجھے کس بات کی سزا دے رہے ہیں۔“ عامر نے دوبارہ صوفے پر ڈھیر ہوتے ہوئے غلی سے دریافت کیا۔

”اوہ ہوا تو یوں کہو ناں کہ تمہیں بھوک لگی ہے۔ خیر اب تو آدھی رات ہونے کو ہے۔ صبح اٹھنے کھا لیتا۔“ غلی نے ہلکا ہلکا پروا ہی سے جواب دیا۔

☆☆☆

جیسے ہی مشتبہ نائب نے ہسپتال نکالا، عامر نے اس کی پشت سے اچانک اس پر چھوٹ کر اٹکی اور دونوں ہسپتال سمیت میز پر جا گرے۔ اس کے ساتھ ہی علی نے کٹاپاؤ ریجیف کو دھکے مار کر کمرے سے

[illegible][illegible]

۴۰۔ "ذک جادو" کا مفادہ ایک ایسی صاحب نے انجیل محمدیہ اور وہ اپنی جگہ جم کر کھڑے ہو چکے۔
 "میرے خیال سے میرے دوست جلال زہد ان کی اصلیت ضرور دیکھنا پسند کریں گے۔
 ماسٹر صاحب کی طرف اشارہ کیا اور اس کے نزدیک پہنچ گیا۔

اس نے ایک بات اس کی گردن کے نیچے کی جگہ پر دکھا۔ پھر وہاں پر موجود تمام لوگوں نے
جوت سے دیکھا۔ جی کے ہاتھ میں ایک پتلی غڑا رہی تھی جو اس نے نائب کے منہ سے اتاری تھی۔
”یہ تو“ سیرنگ زبداں نے اس کی اصلی شکل پر نظر پڑتے ہی چونک کر کہا۔
ان کے سامنے ایسا کھڑا رنگ تین بھرم ہونا کھڑا تھا جسے ڈاکٹر ناگمو کے گروہ میں ایک اہم
اہل علم تھا۔

”ہی، میں۔“ کوٹنے کے بعد وہ ہنس رہا تھا۔

ہوں لگتا تھا جیسے یہاں موجود لوگوں میں سے کسی کی کوئی پروا نہیں اور اس پر اس حادثے کا کوئی اثر نہیں ہوا۔

”خیر۔“ کہانے خیر! وہ ان کو غائب کیا۔ ”تمہارا نام اب ہمارے عظیم سرور و انکیزا کے لئے ہے۔ تم بھی بہت جلد اس کے احوال سے جاؤ گے۔“ اس نے دوج اندہ اور قہر بلند کیا۔
”کہ تم؟“ وہ اب کچھن میں سے غائب تھا۔ ”تم بھی جیسا کہ تمہارے دل اب مجھے چاہیے

77

۱۔ تم نے اہل بیت سے انکار کیا اور ان کو کفر قرار دیا ہے۔ ان کو انکار کرنے کی تمہاری وجہ یہ ہے کہ ان کے پاس قرآن نہیں ہے۔
۲۔ تم نے ان کو کفر قرار دیا ہے۔ ان کا دین کفر ہے۔ ان کو کفر قرار دینے کی تمہاری وجہ یہ ہے کہ ان کے پاس قرآن نہیں ہے۔
۳۔ تم نے ان کو کفر قرار دیا ہے۔ ان کا دین کفر ہے۔ ان کو کفر قرار دینے کی تمہاری وجہ یہ ہے کہ ان کے پاس قرآن نہیں ہے۔

یہاں کے زور و قہر نگاہ اور اچانک ہراس سے اڑھائی کر پڑا۔ سب لوگ حیرت سے اس کی طرف بلائے۔ علی، عامر اور زعبان جبکہ کمر اس کے چھوے کی طرف دیکھ رہے تھے جس کی راگت ایک بلی پڑی تھی۔

”تو ہرا“ علی نے اٹھ کر کھڑے ہوئے ہوئے کہا۔

سب لوگ اس کی طرف دلچسپ رہے تھے۔

میں نے خطرناک ڈیر لگا تھا۔ اس کا ایک دانت زہر کا خطہ عموماً بنے ہوئے عزم
پیش کی طرف میں آنے پر زہر لگی لپٹے ہیں اور ہاتھوں کے ہر انہم سچی کا ایک دانت ایسا تھا ہے۔ اس
کا مضمون کو بتایا۔

تھوڑی دیر بعد یہ ناک لاش پوسٹ مارٹم کے لیے جانچ لی گئی تھی اور وہ لوگ اپنے اپنے اصحاب کو سکون کرنے کے لیے گرم گرم کافی پی رہے تھے۔

اجلاس صبح تک جاری رہا۔ اس دوران انہوں نے بہت اہم ایسے کیے۔ جنرل زلمیاں نے بڑی ہمت سے خود کو داخل کیا تھا۔ یہ حادثہ ان کے لیے زبردست دھچکے کا باعث بنا لیکن وہ حیران تھا کہ اس کا نائب حاکم اس دوران ان لوگوں کو مسلسل پھینے پر مجبور کرتا رہا۔ جنرل زلمیاں دل ہی دل میں ان لوگوں کو دبا دے بغیر نہ رہے گا جو موت کی گود میں بیڑہ کھینچ رہے تھے۔

صبح ہونے پر وہ لوگ اپنے اپنے لوکانے کی طرف روانہ ہو گئے۔ اس خفیہ اجلاس میں چند بہت اہم فیصلے کیے گئے تھے جن پر انہیں جلد از جلد عمل ہی ہونا تھا۔

☆☆☆

”وہاں تک عامر گہری خند ہوتا رہا۔ علی نے اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے مار کر گہری خند سے بھرا دیا تھا۔“

”سورہ تھا، ہے ہوش نہیں تھا۔“ عامر نے اٹھ کر ہاتھ رو م کی طرف جاتے ہوئے کہا۔
 ”میں تو اس سے بھی کچھ آگے سمجھ رہا تھا۔ جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ جرنل زادہ بلان ہمارے ساتھ دوپہر کا کھانا کھانے آرہے ہیں۔“ علی نے کہا۔

تعاقب اور کراؤ

اس جہاز کا نام "مٹا سکر" تھا جس پر انٹرنیٹ سکرین تھا۔ یہ کڑی سرفیکس لاپرواہی تھا۔ ماسٹر تو اتنے لمبے سفر کے ذکر پر بھڑک اٹھا۔

"یہی سرفیکس تھی۔ جنگوں کی خاک سم نے چھان لی۔

پہاڑوں کی چوٹیاں سر کر لیں۔ فضاؤں میں اڑ کر دیکھ لیا۔ اس ایک سمندر میں ڈوب مرنے کی سرفیکس تھی اور اب چاری ہو جائے گی۔" اس نے بندرگاہ پر پہنچنے ہی کہا۔

"ہوتے رہو۔ ہوتے رہو۔ وہاں تو ظاہر ہے سمندر کے شور میں تمہاری آواز کوئی نہیں سن سکتا گا۔" کپٹن علی نے لقمہ دیا۔

"جی ہاں! ڈوبنے والوں کی چیخ و پکار پر کوئی دھیان ہی نہیں دیا کرتا۔"

"اتنا ڈرتے کیوں ہو پانی سے۔ روزانہ غسل کرتے ہو۔"

کپٹن علی نے پھر اسے چڑایا۔

"ابھی کون کبھت ڈرتا ہے۔ مجھے تو سفر کی طوالت سے خوف آ رہا ہے۔"

"اچھا یا رڈرو نہیں۔ تم ہر وقت لائف جیکٹ پہنے رہا کرتا۔" علی نے اس کے کندھے کو تھپک

کر کہا۔

"جی ہاں! لائف جیکٹ ہندسی دیکھ کر تو شارک مچھلیاں مجھے مکروہ سمجھ کر چھوڑ دیا کریں گی اور

کمانیں گی نہیں شاید۔"

"اس لحاظ فہمی میں تو کبھی نہ رہتا۔ تم جیسے سمندرست تو اتنا انسان کا گوشت مچھلیاں بڑی رغبت

سے کھاتی ہیں۔"

"اس اطلاع کا شریچا انکے آپ یہ بات ذرا آرام سے بھی سنا سکتے تھے۔" ماسٹر نے اور

وہم میں سمجھتے رہے نہ کیا۔

کھانے کی بڑبڑ علی نے زہدان کا تعارف سپنڈ ساقیوں سے کروایا۔ جنرل زہدان نے ساقیوں کے کلمات سے فوٹے ہوئے تھے۔ اس کی مردانہ کمر جھان سی رہ گئے۔ ولیم کے متعلق بھی اس نے جنرل زہدان کو سب کچھ بتا دیا تھا۔ کھانے کے تاتے پر اس نے جنرل زہدان سے کہا۔

"تم اپنا سٹراٹلگ الگ کریں گے۔ آپ کو اندازہ تو ہو گیا ہو گا کہ ہنگو کے ہاتھ کتنے لم

بڑا۔"

"ہاں امی بھی یہی بات کہتے رہا تھا۔" جنرل زہدان بولے۔

"آپ کل ہی ہوئی جہاز سے چلے جائیں۔ ہم لوگ بحری جہاز کے ڈریسینے لٹا کر چلیں گے۔ ہم ڈیڑھوں کے رسپ میں سفر کریں گے۔ میری ایک درخواست بھی ہے۔"

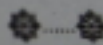
"کیا؟" جنرل زہدان بہت خوش تھے۔

"میری آمد کی کسی کو بھی کانوں کا خبر نہ ہو۔ میرا مطلب ہے میں نہ ہو کہ آپ خوشی

ہمارے استقبال کو بندرگاہ چلتے ہیں۔ آپ کے ملک میں سوائے ایک دو اہم ترین شخصیات کے اور کون

اس دورے کا علم نہ ہونے پائے، کیونکہ ہنگو کے ہاتھ بہت لمبے ہیں اور وہ اعلیٰ سرکاری افسروں کو اپنے ہاتھ میں ضرور رکھتا ہے۔" علی نے کہا۔

"تم بے فکر رہو علی! ہم تمہارے ہر فیصلے کا احترام کریں گے۔" جنرل زہدان نے کہا۔



وہ کہتا ہے کہ میں نے خود ہی ان سب کو چنے کا موقع فراہم کر دیا۔
 اسی حالت ہے۔ اسی حالت ہے۔ مجھے تو خود ایسے لوگ بہت پسند ہیں جن کی

ان کا کام ہی نہیں۔ "اس نے بھی خود کو وہ حالت لال دینے۔
 "پھر اس کا جواب دیا ہے۔ پانی لوگوں سے بھی تعارف کرنا ہے۔ میرا سنا ہے کہ ایک

قدیم زمانہ میں ایک آدمی نے کہا کہ میں نے اس کو دیکھا ہے۔ اس نے عمار کا گہری نظر سے دیکھا
 "پھر اس نے کہا کہ میں نے اس کو دیکھا ہے۔ اس نے عمار کا گہری نظر سے دیکھا۔

"کمال ہے میں نے کیا کشتی کی؟" عمار نے انجان سامنے کر پوچھا۔
 "کراچی کا نام بتانے کی کیا کشتی؟" علی بولا۔

"کراچی ہے۔ وہ کشتی سا آدی اپنا کتا لیا نام بتا سکتا ہے تو میں 5 فٹ 11 انچ لیا نام بتا
 "میں نے ان کی بات سنی؟" عمار بولا۔

اس کی بات پر عمار نے بے اختیار ہنس پڑے۔
 ☆☆☆

ان کو جہاز میں ستر کرتے آج آٹھواں روز تھا۔
 اس دوران موسم ان سے بڑی بے تکلفی سے ملتا رہا اس نے کپتین علی اور اس کے ساتھیوں

فائدہ جہاز کے چاب پیمانہ مانگیں سے کروایا تھا۔
 مانگیں تھوڑے عمار کا ایک کپتان۔ لیکن نہ جانے وہ قتل سے چھٹا ہوا افتخار و کھائی نہ تو

نہیں نہ کسی فکر میں تو وہ پہلی ہی روز سے کھٹکتے لگا تھا۔ جب بھی اس کی ملاقات جہاز کے ڈرائنگ روم
 میں ہوتے پر یا کسی اور جگہ ہوتی۔ عمار نے دیکھا موسم اور مانگیں دونوں ہی بڑی گہری نظروں سے ان

کپتین علی نے اظہار اس سے دلچسپا بھارتا تھا۔
 "ہاں آپ کو تو خود انہوں اس نے ہمارے پرکھ دیا ہے۔" علی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

عروج میں امیر ایک خط ہے کہ۔ اس کا اشارہ تھا ایک دوسرا شخص بھی ہمارے گہری
 ہر ایک کا پیش ضرور ہے کہ ہمیں سندھ کی جانوروں کی خوراک نہ فنا پڑے۔ سر نے کے لیے وہاں طوائف

میں بھی بہت سی چٹائیں موجود ہوں گی۔" عمار بولا۔
 "میری بات غور سے سن لو۔ اب تم ضرور جاننا ہی چاہتے ہو تو ہمیں بتا دوں۔ عمار کا

خدا جس۔" علی نے عینوں سے کہا تو وہ ایم اور بھی چپ کے بغیر نہ دے سکے۔
 "مطلب؟" ولیم بولا۔

"میں نے اپنی آنکھیں بند نہیں کیں۔" جگہ بھی ان لوگوں پر کھڑے ہو گیا تھا لیکن میں آج تک
 بھی سوچتا رہا کہ آخر انہیں ہمارے متعلق معلومات کہاں سے حاصل ہوئیں گی کہ عمار کی دعا کی کو بہت

غیب کھا گیا تھا اور بہت کم لوگوں کو اس کا علم تھا۔ بہر حال اپنے ملک میں اس قدر کی حاشیہ شروع ہو چکی
 ہے جس نے ان کی مدد کی ہے۔" کپتین علی بڑا عجیب و غریب آ رہا تھا۔

میں جس میں پھر بتا دوں کہ کنگو کوئی عام قسم کا بھرم نہیں ہے۔ دنیا کا جالاک ترین بھرم ہے اس
 کے بے شمار ذرائع ہیں۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ تم لوگوں کو ابھی اس بات کا علم ہو کہ انہوں نے ہمیں پکڑا

لیا ہے۔ لیکن اب چونکہ عمار یہ بات جان ہی چکا ہے تو ایک بات غور سے سن لو اور پلے ہاتھ دھو اپنی کسی
 حرکت سے یہ بات ظاہر نہ ہونے دینا کہ ہمیں بھی ان لوگوں کی اصلیت کا علم ہو چکا ہے۔"

علی نے انہیں سمجھایا پھر ان کے درمیان خطرے کی صورت میں ایک دوسرے کو آگاہ کرنے
 کے لیے چند سگنل کا تعین ہوا اور وہ مطمئن ہو کر اپنے اپنے کمروں میں سو رہے۔

☆☆☆

اگلے روز شام گئے وہ ایک منصوبے کے مطابق جہاز کے عرشے پر چلے آئے۔ جہاز کے
 عرشے پر بہت سے مسافر ڈوبے سورج کا نظارہ کر رہے تھے۔ پھر اندر چلے گئے تو سب ایک ایک کر

کے چلے گئے۔ صرف عمار وہیں رہ گیا۔ وہ جہاز کے عرشے کے دھنگے پر جھکا اور سندھ پر نظریں گاڑے
 کھڑا تھا۔ وہاں اس کے علاوہ مانگیں اور اس کے دوست بھی موجود تھے۔ پھر مانگیں اور اس کا ایک ساتھی

بھی نیچے چلے گئے۔ عمار جان بوجھ کر اسی پوزیشن میں کھڑا رہا۔

وہاں پہنچ کر وہ دیکھ گیا۔ گھٹان گیا۔ جہاں اس سے دور ہی تھا۔ چلا گیا۔ عمار نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔
 کے پیچھے ہی ایک ڈاکو۔ علی نے اطمینان سے ہاتھ پکڑ لیا۔ اسے اپنے کپڑوں میں سے نکال دیا۔
 اس نے اس کی ہاتھ پکڑ کر قیام کر جہاں کے ہال میں چلے آئے۔
 کچھ دیر بعد وہ سب معمول جہاز کے ڈرائنگ ہال میں کھایا تھا۔ ان کے چہرے
 تھا کہ تیرہ ماہ پہلے وہاں پہنچا تھا۔ وہ دونوں ہال میں داخل نظر آ رہے تھے۔ علی کی چال چلتا
 ہمارے اس واقعہ کی نظر عمار کو بھی کانٹوں کانٹوں پر نہیں مٹنے والی تھی۔
 قیام جب وہ چاروں پہنچ کر ڈش کرنے کے لیے جہاز کے عرشے پر آئے تو وہاں ان کی
 وقت سب سے پہلے انگلی سے مٹی کی موس بھی اس کے ساتھ ہی موجود تھا۔
 "کیا بات آگیا ہے صاحب؟" موس نے چپختے ہی عمار سے کہا۔
 "نہیں ہے۔" وہ لمبے دریاں نکالا۔
 "وہ میرا لازم قیام۔" وہی نکلتے جو میرے ساتھ ساتھ لگا رہتا تھا وہ کالا سا لہجہ تھا۔
 اس کی جانے لگی تھی کہ ہاتھ پکڑا گیا۔
 "ہاں۔ ہاں۔ مجھے یاد آ گیا۔" وہ مونا آپ کے ساتھ ہی لگا رہتا تھا ہے چارو۔" عمار نے
 ٹھنک کر پانی پیا کر کہا۔
 "وہ نکلتے ہی میرے ریف کس سے 20 ہزار ڈالر کی رقم لے کر بھاگ گیا۔ نہ ہائے سہ
 میں کیے تھے وہ گزشتہ ماہ کی کچھ لکھی تھیں۔" مانگیل نے بظاہر اقلیتی سے کہا۔
 "ہاں۔" عمار نے انہیں پھاڑتے ہوئے اس سے پوچھا جیسے یہ خبر اس کے لیے نیا
 جیوی کی رہی۔
 "بالکل بظاہر اس سال پر لازم قیام میرا نہ جانے کیا زمانہ آ گیا۔ مجھے لیتا تو میرا
 اسے اتنی رقم تو دے ہی دیتا۔"
 "وہ؟" ہر قسم کا کم ہمت۔ واقعی آپ جیسے ٹیک ڈالنے والے اب کہاں ہیں۔" اس
 کہاں سے کہہ کر اس کو سنا۔ وہ بول ہی پڑا انہیں ہوتا کہ وہاں تک پہنچ سکے۔ "علی نے ان کی سطر
 میں ہنسنے ہوئے کہا۔
 "نہیں، نہ ہی ہے بظاہر؟" وہ لمبے دریاں نکالا۔



وہاں پہنچ کر وہ دیکھ گیا۔ گھٹان گیا۔ جہاں اس سے دور ہی تھا۔ چلا گیا۔ عمار نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔
 کے پیچھے ہی ایک ڈاکو۔ علی نے اطمینان سے ہاتھ پکڑ لیا۔ اسے اپنے کپڑوں میں سے نکال دیا۔
 اس نے اس کی ہاتھ پکڑ کر قیام کر جہاں کے ہال میں چلے آئے۔
 کچھ دیر بعد وہ سب معمول جہاز کے ڈرائنگ ہال میں کھایا تھا۔ ان کے چہرے
 تھا کہ تیرہ ماہ پہلے وہاں پہنچا تھا۔ وہ دونوں ہال میں داخل نظر آ رہے تھے۔ علی کی چال چلتا
 ہمارے اس واقعہ کی نظر عمار کو بھی کانٹوں کانٹوں پر نہیں مٹنے والی تھی۔
 قیام جب وہ چاروں پہنچ کر ڈش کرنے کے لیے جہاز کے عرشے پر آئے تو وہاں ان کی
 وقت سب سے پہلے انگلی سے مٹی کی موس بھی اس کے ساتھ ہی موجود تھا۔
 "کیا بات آگیا ہے صاحب؟" موس نے چپختے ہی عمار سے کہا۔
 "نہیں ہے۔" وہ لمبے دریاں نکالا۔
 "وہ میرا لازم قیام۔" وہی نکلتے جو میرے ساتھ ساتھ لگا رہتا تھا وہ کالا سا لہجہ تھا۔
 اس کی جانے لگی تھی کہ ہاتھ پکڑا گیا۔
 "ہاں۔ ہاں۔ مجھے یاد آ گیا۔" وہ مونا آپ کے ساتھ ہی لگا رہتا تھا ہے چارو۔" عمار نے
 ٹھنک کر پانی پیا کر کہا۔
 "وہ نکلتے ہی میرے ریف کس سے 20 ہزار ڈالر کی رقم لے کر بھاگ گیا۔ نہ ہائے سہ
 میں کیے تھے وہ گزشتہ ماہ کی کچھ لکھی تھیں۔" مانگیل نے بظاہر اقلیتی سے کہا۔
 "ہاں۔" عمار نے انہیں پھاڑتے ہوئے اس سے پوچھا جیسے یہ خبر اس کے لیے نیا
 جیوی کی رہی۔
 "بالکل بظاہر اس سال پر لازم قیام میرا نہ جانے کیا زمانہ آ گیا۔ مجھے لیتا تو میرا
 اسے اتنی رقم تو دے ہی دیتا۔"
 "وہ؟" ہر قسم کا کم ہمت۔ واقعی آپ جیسے ٹیک ڈالنے والے اب کہاں ہیں۔" اس
 کہاں سے کہہ کر اس کو سنا۔ وہ بول ہی پڑا انہیں ہوتا کہ وہاں تک پہنچ سکے۔ "علی نے ان کی سطر
 میں ہنسنے ہوئے کہا۔
 "نہیں، نہ ہی ہے بظاہر؟" وہ لمبے دریاں نکالا۔

”بھٹ بھٹا کرے کتے اچھے لوگ ہیں۔ سافروں کی صحت اور آرام کا کتنا خیال ہے نہیں۔“
 ماسر نے کھانے کی مختلف ڈشوں پر نظر دوڑاتے ہوئے کہا۔
 ”بسم اللہ کہہ کر اس نے کھانے کی طرف قدم بڑھا دیا۔“
 ”مظہر۔“ علی نے اسے روکنے کا اشارہ کیا۔

”اوہ“ میں بھی کتنا بے خوف ہوں۔ اکیلا ہی۔“ ماسر نے عجیب سے لہجے میں کہا۔
 پھر وہ سب حیرانگی سے علی کی طرف دیکھنے لگے۔ اس نے کمرے کا دروازہ کھٹک کر باہر
 نکلنے پر علی کو کھولا۔ اس میں سے ایک قرعہ نما قسم کی چیز نکالی جس کے ایک سرے پر لڑا پونٹ
 تھا۔ پھر سامنے کے ایک ڈونگے سے سامنے نکال کر ایک پلیٹ میں بٹھا دیا۔
 اس کے بعد علی نے ایک چھوٹی سی پیشی میں سے ایک ٹھول سا نکال کر اس میں شامل کیا اور
 اس ڈرامہ میں سامنے والا قرعہ نما بیڑ پر ماسر کا نشان حرکت کرنے لگا۔ پھر وہ درمیان میں آکر کھٹک گیا۔
 علی نے اونچا کر کے اسے اپنی آنکھوں کے سامنے کیا اور اس پر لہجہ بڑھنے لگا۔
 ”زہرا“ اس کے منہ سے نکلا اور تھیں چمک اٹھیں۔
 ”مہم مطلب ا“ ماسر نے اداکاری شروع کی۔

”لیکن اس سے کوئی مرے گا نہیں۔ صرف گہری بے ہوشی طاری ہوگی۔“ علی نے کہتے
 ہوئے وہ ڈرامہ پر کمرے کے باہر درم میں دھویا اور دونوں چچرے ایک کس میں بند کر کے ان کی طرف
 مخاطب ہوا۔

”اب آپ نے کھانا کھا کے بے ہوش ہونا ہے یا اس کے بغیر۔“
 ”پہلے تو کھانا کھا ہی لینے دیجیے۔ جب بے ہوش ہی ہونا ہے تو کچھ کھا لیا جائے۔ خالی پیٹ کی
 بے ہوشی سے صحت کو نقصان پہنچنے کا خطرہ رہتا ہے۔“ ماسر نے ایک پلیٹ میں سامنے بٹھا دیے ہوئے کھانے
 علی نے سرکراتے ہوئے اس کی گردن میں دھول بھادی۔ اس کے بعد انہوں نے تمام
 پلیٹوں کو سامنے سے بھر دیا۔ پھر سامنے اور کھانے پینے کی تمام اشیاء پیش میں بھا دیں۔ اس میں کھانا تھا جسے ان
 لوگوں نے ڈٹ کر کھانا کھایا اور اس کے بعد وہ سب باری باری مختلف اعداد سے ظاہر بے ہوش ہو کر گر
 پڑے۔ ان کے گرنے کا اعداد پائل قدرتی تھا۔ ماسر نے چاہا تھا کہ بستر پر گرے لیکن علی نے اسے ہنر
 سے فرش پر لاٹھا دیا تھا۔

اس پوزیشن میں انہیں بیس منٹ ہو گئے تھے۔ لیکن ابھی تک دوسری طرف کو نظر نہیں آ رہا

برے پھنے

چچا تریبٹ سید بخاری کرکٹر اعزاز ہو گیا۔
 چچا راں بھلی کی طرف سے سافروں کو ایک علی درجے کے ہوش میں ضمہ اسے کا اندازہ
 کیا گیا تو ان چاروں کو ایک فلمی آدمی لٹ کر دیا گیا۔ یہ بلا اشتان وار سوٹ تھا اور ایک مکمل جلی کے
 لیے بنایا گیا تھا۔ رات کو بھلی میں پہنچے تھے۔ ابھی انہوں نے اپنا معمولی سا سامان جو وہ اپنے ساتھ
 بھلی لے آئے تھے۔ کوئی کرکٹ سے تبدیل ہی کیے تھے جب دروازے پر دستک ہوئی۔ چاروں سنبھل
 کر بیٹھ گئے۔

ایک موزہ پر ہاتھوں میں کھانے کی ٹرے تھا سے اندر داخل ہوا۔ اس نے اپنی طرف سے
 آداب بولا تو بے کھانا پیر پر چا دیا۔ جب وہ کھانا سجا کر واپس مڑنے لگا تو کپٹن علی نے اسے
 مخاطب کیا۔

”مظہر۔“

”ٹھیک رہا“ اس نے بڑے آداب سے کہا۔

”کیا اس بھلی میں کھانا سافروں کے کمرے میں پہنچانے کا رواج ہے؟“ اس نے پیر سے
 سے مخاطب کیا۔

”تو راج محل غیر ماب نے کہا آپ لوگ شاید جھکے ہوئے ہوں اور باہر آنا پسند نہ
 کر لیتے۔“ ماسر نے پیر پر ٹھہرنا ان کے آگاہ کیا تھا۔

”کپٹن غیر ماب کا طریقہ ادا کرنا لیکن انہیں بتانا کہ ہم اتنی جلدی جھکنے والے نہیں ہیں۔“
 علی نے بڑے سنی غیر لہجے میں کہا۔

میری نظر کرنے سے قی ہے۔ "حاضر ہوں"۔ "میرے لئے غریب نہ رہا۔"

"تو نے..." "میں نے اسے پڑائش میں لے لیا۔ جو اب دیا۔"

"نہ ہے اگر بے ہوش ہی ہوتا تو چنگ اور صوفے پر ہونے میں کیا حرج ہے؟"

نہ کوئی۔

"تو نے تو ہی غفلت نہ کی۔" "میں نے۔"

"کچھ ہوئے تھے۔"

اس سے پہلے کہ وہ جوتے پہن لے۔ "میں نے اس کا کندھا ہاویا۔ کوئی باہر سے نہ آتا۔"

باقی شہر لوگ نہیں کرنا چاہتے تھے کہ اندر پہنوں یا انعام پا چکا ہے یا نہیں۔ ان کی طرف سے کوئی

جواب نہ آئے۔ انہوں نے کمرے کے دروازے سے باہر سے ایک چابی اندر گھومتی دیکھ لی۔ یہ ایک

فصل جس نے ہونے کے بارے میں ہی کیا گارم بین رکھی تھی۔ اندر چلا آیا۔ اس نے ایک نظر سے اس

سفر میں پہلی بار دروازہ کھولا۔

جیسے وہ دروازہ کھول کر کے دروازہ چلا۔ اچانک منہ کے بل زمین پر آ رہا۔ نیچے لے لیا۔

اس کی ہونٹوں میں ہلکے ہلکے تھپتھپانے تھے۔ اس سے پہلے کہ وہ سنبھل کر کھڑا ہو۔ جلی نے ہوش میں آتے ہوئے

اس کی گردن پر ہلکی جگہ ہاتھ رکھ دیا کہ بے چارے کے منہ سے آواز بھی نہ نکل سکے۔ اس کے ہاتھوں

اس نے ہاتھ نکال کر اس کی کتھی سے لگایا۔

"خبردار! آواز نہ نکالنا۔" "اس کا لہجہ ایسا تھا کہ وہ لیم تو سہم کر رہ گیا۔" "میں نے اس کی آنکھوں

سے فون کی روشنی دیکھی۔ اس نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

چپ چاپ سارے امکانات کی قیاس کر رہا تھا کہ اس کی موت مارے جاوے۔ اس

نے مطلب آگیا۔

"ہمارے ہوش میں آ جاؤ۔" "حاضر ہوں۔" "اب تو پسلیاں بھی درد کرنے لگی ہیں۔"

"تو بے ہوش ہو۔" "میں نے۔"

"تھیک ہے۔" "میں نے پہلے ہوش میں نہ لایا۔" "حاضر نے اٹھ کر چنگ پر لیٹے ہوئے

کھڑے۔

مطلب: یہی تو اسی اور خوف سے ان لوگوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس نے آج تک اپنے

"سوچا تھا کہ اس کا بکھرنا مل جاتا ہے۔" اس نے حاکم کا جواب دیا۔ "میرے غریب کی

طرف توجہ ہو۔"

"میں تمہارے متعلق کچھ نہیں جانتا تھا۔ تم نے جس چھوٹوں کے لیے یہ کام کیا ہے۔"

صرف میرے سوا اس کے تھیک تھیک جواب دہ نہ تھے۔ وہ دیکھ کر کہہ سکتا تھا کہ اس نے میرے

دائیں ہاتھ۔ لیکن جیسے آسانی سے مار دیا کہ اس کی کونوں کا کٹاؤ نہیں ہوئی۔ سٹی نے اس کی حرکت

پر گرفت اور اس کی اور وہ گھبرا گیا۔

"نہ... ج... بیٹا! اٹھا کے لیے مجھے صحت مار رہے۔ میں سب کچھ اس لگا۔" اس نے

پتلیاٹے ہوئے کہا۔

"میں بے ہوش ہونے کے بعد تم سے کیا کرنا تھا؟"

"فون کر کے اپنے ساتھی کو جانا تھا اور آپ لوگوں کو شریک پر ڈال کر ہائی وائی لے لیتا تھا۔"

تو۔

"لیکن اس طرح تو تمہارے دیکھ لیے جانے کا خطرہ تھا۔" "میں نے۔"

"اس کا بندوبست کر لیا گیا ہے۔ ایک بنگالی راستہ موجود ہے۔" اس نے جواب دیا۔

"تھیک ہے۔ اپنے ساتھی کو فون پر جاؤ۔ اگر کوئی چالاک دیکھائی تو یاد رکھو۔" "میں نے اس

کی طرف ہاتھ پھیرا۔

یہی اس کا ہاتھ بھٹکا۔ فون تک پہنچا ہی تھا جب دروازہ اچانک کھلا اور بند ہو گیا۔ اس سے

پہلے کہ وہ معاملے کی نزاکت کو سمجھیں، انہوں نے دیکھا کہ ایک زہرا کوہ خیر اس کے پیلو میں بیٹھ

ہے۔ وہ شخص لڑکھڑا کر گرا۔ بے چارے کو منہ سے آواز نہ لگنے کی صہلت بھی نہ ملی۔ بالکل اسی انداز میں

یہاں کی موت واقع ہوئی تھی۔

"جلدی جلدی اپنے اپنے برقیہ کس اٹھاؤ۔ فوراً یہاں سے لکھتا ہے۔" "میں نے کہا اور خود

دروازہ کھول کر باہر نکلا۔

باہر راجداری سنسان پڑی تھی۔ اس نے ایک آدھ منٹ تک دروازے کے ماحول کا جائزہ لیا۔

پھر واپس آ گیا۔ ان کو ہونٹ کے گرد غور پر کمرہ لایا ہوا تھا۔ جلی کے ساتھیوں نے تیار ہی اس کاٹھ میں

بھرتی سے مکمل کر لی تھی۔

جلی نے کمرے کا دروازہ لاک کر کے اس کے آگے صوفہ کر دیا اور وہ چاروں دروازے کی

چاند لہو لہو سے شہر سے باہر جانے والے راستے پر سڑک کر رہے تھے۔ کچھ عرصے
میں پہلے ہی متحاربہ آجاکھا۔ سڑک کے کنارے ایک چھوٹے سے ریسٹوران سے اس نے اپنے
ایک دوست کو بلانے کی کوشش کی۔ وہاں پہلے ایک ٹیبلٹ چائے تھا۔
کچھ عرصے کی طرف سے آجی رات کو ہونے والی اس فتنہ کال نے کٹر ریش کو حیران کر
دیا۔ اسے خوشی بھی تھی اور حیران بھی۔

”تم کہاں سے ایک دن کے اس وقت؟“ اس نے علی سے پہلے تکلفی سے پوچھا۔
 ”یہاں میں، جہاں پہلے کی پڑائوش میں تھیں۔ قمری الحال ہمیں یہاں سے لے جاؤ۔“ علی نے
 اسے اپنی حوصلہ کرکھنہ کر دیا۔
 قمری پانچ منٹ بعد ہی اچھا ہوا مقامی پولیس کی ایک آرامدہ کار میں سفر کر رہے تھے۔
 ”کمال ہے، یاد آئے کی خبر نہ جانے کی خبر اتنی مدت بعد ملے بھی تو میں اچانک اور۔۔۔“
 گرفتار شدہ اس نے علی کو گہرے ہونے کہا۔

93

☆☆☆

صبح درج تک وہ لوگ کھڑے کھڑے کمرے سے نکل رہے تھے اور انہیں یہاں رکھنے پر ۱۵۰ روپے ملتا تھا۔ لیکن معاملے کی نزاکت کا احساس کرتے ہوئے اس نے انہیں یہاں فروخت جانے کی اجازت دے دی۔ لیکن یہ وعدہ لیا تھا کہ مشین کے خاتمے پر وہ کم از کم تین سو روپے اس کے یہاں رہیں گے۔ وہ لوگ بھوکے سر گریوں سے جا آ چکے تھے اور علی بابا ان سب کی امیدیں کھرا بھرا تھا۔

مٹی نے اس مرحبہ عاقبتی جہاز سے سفر کا مناسب سمجھا تھا۔ ان کے لیے رات کی غفلت سے سٹیشن تک ہو چکی تھیں۔ رات کو ہوائی اڈے پر وہ عام مسافروں کی طرح چلی گئی تھیں۔ مٹی کو کوئی خطرہ مول لینا نہیں چاہتا تھا جہاز میں جب آٹھ گھنٹے کی اڑان کے بعد وہ لوگ ٹرانشیپائیڈ تو یہاں صبح ہو چکی تھی۔

کیپٹن علی کی ہدایت کے مطابق یہاں کوئی بھی شخص ایسے نہیں آیا تھا۔ اس نے ہوائی اڈے پر
ایک لاکر میں اپنا سامان رکھوا دیا تھا۔ وہ لوگ ٹاشا کے دارالحکومت "کوشا" میں موجود تھے اور ایک
طیلسی کے ذریعے کسی ہوٹل کی طرف جارہے تھے۔

”عجیب بات ہے کیا تم یہاں بھیک مانگیں گے۔ سامان تو مارا آپ نے وہاں رکھوا دیا۔ یہ ایک عینک میں معمولی سے کپڑے، کوئی شریف ہوئی والا تو ہمیں ٹھیکراتے سے رہ۔“ عامر نے ہنسنے لگا۔

”تمہارے لیے میں نے سڑک کے کنارے ایک درخت کی جھاڑوں تلے سوئے گا بدو است

میں نے وہاں کی ایک بیٹی پر نظر ڈالا، وہ لڑکی ان سے جواب دیا۔
 "اگر ایک بے شرفی ہے تو اس سے بچنا چاہیے۔ اس نے وہ ایک اور شخص کی طرف

دیکھا۔

"اس کا بھی شک ہے۔" سلی نے بڑی تھکراتان سے جواب دیا۔
 "ایک ہے۔ ایک ایک لڑکیاں دیکھ رہی ہیں۔ اس کا بھی شک ہے۔" عاصم نے۔
 "تو اس کے ساتھ کبھی نہ ملے۔" سلی نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

دیکھا۔

وہ ایک ایک لڑکیاں کی طرف دیکھ رہے تھے۔ یہاں سے وہیں کا قاصد کم از کم اس کی طرف
 قریب ہی پہنچا۔ پہلی ہی چلتے تھے جب ان کو اس نے آپس میں دیکھنا شروع کر دی۔ دونوں ایک
 ایک دوسرے سے آگے بڑھنے لگے۔ سلی نے وہاں سے دور ہونے لگا۔ سلی نے وہاں سے دور ہونے لگا۔
 "وہ کہاں ہے؟" اس نے آواز دے کر کہا۔ اس نے وہاں سے دور ہونے لگا۔
 "وہ کہاں ہے؟" اس نے آواز دے کر کہا۔ اس نے وہاں سے دور ہونے لگا۔
 "وہ کہاں ہے؟" اس نے آواز دے کر کہا۔ اس نے وہاں سے دور ہونے لگا۔

عاصم نے دیکھا کہ سلی نے وہاں سے غائب تھا۔ معلوم نہیں ہوتا تھا اسے
 میں کوئی بات کہانی نے سنی تھی۔



دھمکی اور دھماکہ

چشمِ دون میں ان لوگوں نے جیسی کو تھکے سے دیکھا۔ "بہر حال۔" ایک شخص نے بظاہر

کہا۔

وہ سب ایک ایک کر کے باہر آ گئے۔ جیسی ڈرامہ کی حالت میں ہوتی تھی۔ خوف سے اس کی
 آنکھیں پٹی جاتی تھیں۔ اسے کچھ نہیں آ رہی تھی کہ کس مصیبت میں پھنس گیا ہے۔

"وہ کہاں ہے؟" اس نے آواز دے کر کہا۔ اس نے وہاں سے دور ہونے لگا۔
 "وہ کہاں ہے؟" اس نے آواز دے کر کہا۔ اس نے وہاں سے دور ہونے لگا۔
 "وہ کہاں ہے؟" اس نے آواز دے کر کہا۔ اس نے وہاں سے دور ہونے لگا۔

"تمہارا ساتھی۔" اس نے ایک ایک کر کے جواب دیا۔ شاید ان میں سے واحد کہتا تھا کہ
 سب کا لے اور مقامی باشندے معلوم ہوتے تھے۔

"کون سا ساتھی؟ کسی کا ساتھی؟" عاصم نے اسے پڑاتے ہوئے کہا۔

"تمہارا" وہی گورا دھماکا۔

"اپنا گھوڑا تو اہم خراب نہ کرو۔ تمہاری اطلاع کے لیے عرض ہے کہ ہم نہیں جانتے تھے سب میں
 تین ہی ہیں اور سب سے بڑی بات کہ ہمارے پاس تو اب بھی کسی نہیں ہے۔ اس لیے تمہیں ہم
 غریبوں سے کچھ نہیں موصول ہو گا۔" عاصم کی زبان پٹنی کی طرح چل رہی تھی۔ اس نے مامول کا گویا ڈرا
 برائے اثر قبول نہیں کیا تھا۔

اس کی کچھ حالت عموماً وہیم کا حوصلہ بھی بڑھانے رکھتی تھی۔ بات الٹ اور تھی۔ وہ بچہ نکلتا
 اور عاصم کا ساتھی تھا اس لیے اس نے بھی حالات سے پریشان ہونا نہیں سیکھا تھا۔

۱۸
 میں نے اس کو دیکھا تھا کہ وہ ایک بڑے بڑے گھر میں رہتا تھا۔ اس کے چچے چار گھر کے مالک تھے۔
 وہ ایک بڑے بڑے گھر میں رہتا تھا۔ اس کے چچے چار گھر کے مالک تھے۔

ع۔ "موتی" نامی ایک اور شخص ہے جو کہ قیس بن امانی کی بیوی کا بیٹا تھا۔ قیس بن امانی نے اسے "موتی" نام سے پکارا تھا۔

پیش قدمی سے توجہ کرنا۔
"پیش قدمی سے توجہ کرنا۔ اس کے بعد تو رومانی رونا ہے۔ چھوٹے ہونے
پیش قدمی سے توجہ کرنا۔ اس کے بعد تو رومانی رونا ہے۔ چھوٹے ہونے
پیش قدمی سے توجہ کرنا۔ اس کے بعد تو رومانی رونا ہے۔ چھوٹے ہونے

میں نے اسے نہ دیا۔
 وہوں کو ایک جہک چاہی کہ جی کہ اپنا کمرے کی لائٹ آف ہوگئی۔ اس کے ساتھ
 باہر نکلے۔ وہ نے اسے مختلف اطراف میں چھانگنا لگا دیں۔ پھر فصاحتاً کمرے کی آواز سے
 کہہ گی۔ میں کمرے کے کونوں کونوں میں بیٹھے تھے۔ کچھ کی طرح دیکھتا ہوا اعانے سے منسوب ہوا
 کہ کچھ کچھ اس نے منسوب ہوا کہ کچھ کچھ کی جہاں اپنے ساتھیوں کو زور زور سے چھانگتا ہے
 باہر منسوب ہوا کہ کچھ کچھ کی جہاں اپنے ساتھیوں کو زور زور سے چھانگتا ہے

۱۱۰

۱۱۱

۱۱۲

۱۱۳

۱۱۴

۱۱۵

۱۱۶

۱۱۷

۱۱۸

۱۱۹

۱۲۰

۱۲۱

۱۲۲

۱۲۳

۱۲۴

۱۲۵

۱۲۶

۱۲۷

۱۲۸

۱۲۹

۱۳۰

۱۳۱

۱۳۲

۱۳۳

۱۳۴

۱۳۵

۱۳۶

۱۳۷

۱۳۸

۱۳۹

۱۴۰

۱۴۱

۱۴۲

۱۴۳

۱۴۴

۱۴۵

۱۴۶

۱۴۷

۱۴۸

۱۴۹

۱۵۰

۱۵۱

۱۵۲

۱۵۳

۱۵۴

۱۵۵

۱۵۶

۱۵۷

۱۵۸

۱۵۹

۱۶۰

۱۶۱

۱۶۲

۱۶۳

۱۶۴

۱۶۵

۱۶۶

۱۶۷

۱۶۸

۱۶۹

۱۷۰

۱۷۱

۱۷۲

۱۷۳

۱۷۴

۱۷۵

۱۷۶

۱۷۷

۱۷۸

۱۷۹

۱۸۰

۱۸۱

۱۸۲

۱۸۳

۱۸۴

۱۸۵

۱۸۶

۱۸۷

۱۸۸

۱۸۹

۱۹۰

۱۹۱

۱۹۲

۱۹۳

۱۹۴

۱۹۵

۱۹۶

۱۹۷

۱۹۸

۱۹۹

۲۰۰

۲۰۱

۲۰۲

۲۰۳

۲۰۴

۲۰۵

۲۰۶

۲۰۷

۲۰۸

۲۰۹

۲۱۰

۲۱۱

۲۱۲

۲۱۳

۲۱۴

۲۱۵

۲۱۶

۲۱۷

۲۱۸

۲۱۹

۲۲۰

۲۲۱

۲۲۲

۲۲۳

۲۲۴

۲۲۵

۲۲۶

۲۲۷

۲۲۸

۲۲۹

۲۳۰

۲۳۱

۲۳۲

۲۳۳

۲۳۴

۲۳۵

۲۳۶

۲۳۷

۲۳۸

۲۳۹

۲۴۰

۲۴۱

۲۴۲

۲۴۳

۲۴۴

۲۴۵

۲۴۶

۲۴۷

۲۴۸

۲۴۹

۲۵۰

۲۵۱

۲۵۲

۲۵۳

۲۵۴

۲۵۵

۲۵۶

۲۵۷

۲۵۸

۲۵۹

۲۶۰

۲۶۱

۲۶۲

۲۶۳

۲۶۴

۲۶۵

۲۶۶

۲۶۷

۲۶۸

۲۶۹

۲۷۰

۲۷۱

۲۷۲

۲۷۳

۲۷۴

۲۷۵

۲۷۶

۲۷۷

۲۷۸

۲۷۹

۲۸۰

۲۸۱

۲۸۲

۲۸۳

۲۸۴

۲۸۵

۲۸۶

۲۸۷

۲۸۸

۲۸۹

۲۹۰

۲۹۱

۲۹۲

۲۹۳

۲۹۴

۲۹۵

۲۹۶

۲۹۷

۲۹۸

۲۹۹

۳۰۰

۳۰۱

۳۰۲

۳۰۳

۳۰۴

۳۰۵

۳۰۶

۳۰۷

۳۰۸

۳۰۹

۳۱۰

۳۱۱

۳۱۲

۳۱۳

۳۱۴

۳۱۵

۳۱۶

۳۱۷

۳۱۸

۳۱۹

۳۲۰

۳۲۱

۳۲۲

۳۲۳

۳۲۴

۳۲۵

۳۲۶

۳۲۷

۳۲۸

۳۲۹

۳۳۰

۳۳۱

۳۳۲

۳۳۳

۳۳۴

۳۳۵

۳۳۶

۳۳۷

۳۳۸

۳۳۹

۳۴۰

۳۴۱

۳۴۲

۳۴۳

۳۴۴

۳۴۵

۳۴۶

۳۴۷

۳۴۸

۳۴۹

۳۵۰

۳۵۱

۳۵۲

۳۵۳

۳۵۴

۳۵۵

۳۵۶

۳۵۷

۳۵۸

۳۵۹

۳۶۰

۳۶۱

۳۶۲

۳۶۳

۳۶۴

۳۶۵

۳۶۶

۳۶۷

۳۶۸

۳۶۹

۳۷۰

۳۷۱

۳۷۲

۳۷۳

۳۷۴

۳۷۵

۳۷۶

۳۷۷

۳۷۸

۳۷۹

۳۸۰

۳۸۱

۳۸۲

۳۸۳

۳۸۴

۳۸۵

۳۸۶

۳۸۷

۳۸۸

۳۸۹

۳۹۰

۳۹۱

۳۹۲

۳۹۳

۳۹۴

۳۹۵

۳۹۶

۳۹۷

۳۹۸

۳۹۹

۴۰۰

۴۰۱

۴۰۲

۴۰۳

۴۰۴

۴۰۵

۴۰۶

۴۰۷

۴۰۸

۴۰۹

۴۱۰

۴۱۱

۴۱۲

۴۱۳

۴۱۴

۴۱۵

۴۱۶

۴۱۷

۴۱۸

۴۱۹

۴۲۰

۴۲۱

۴۲۲

۴۲۳

۴۲۴

۴۲۵

۴۲۶

۴۲۷

۴۲۸

۴۲۹

۴۳۰

۴۳۱

۴۳۲

۴۳۳

۴۳۴

۴۳۵

۴۳۶

۴۳۷

۴۳۸

۴۳۹

۴۴۰

۴۴۱

۴۴۲

۴۴۳

۴۴۴

۴۴۵

۴۴۶

۴۴۷

۴۴۸

۴۴۹

۴۵۰

۴

”آیت اللہ نے حضرت۔“ تزلزل ابدان ہوئے۔

[illegible]

اس مقابلے میں ہانگو کے چند رسوا سچی مارے گئے اور چھ گرفتار ہوئے تھے۔ ان میں دو سیلو
ہم بھی موجود تھا۔ حاضر اس کی مجلس پر نظر پڑتے ہی اس کے نزدیک جا کر ادا ہو کر۔ "میں نے کیا تھا؟"
کے تباہ کاریاں بہت ہی ادا ہو گئی۔ تم نے دیکھی یا مجھے علم غیوم پر کتنا صبر حاصل ہے۔"

سیلو قائم نے اس جواب دینے کے بجائے دوسری طرف کر لیا۔ اس دوران وہاں مجلس
آہی کے آہی کے بڑے بڑے تیلی کا پیرا اٹھتے تھے۔ قیدیوں کو کلاشن سیرت فوج کے جوان اٹھا کر لے گئے۔
پلے سے پہلے انہوں نے اس عمارت کو ڈھانکنا لگا دیا کہ کڑا لڑائی تھی اور اس کے سبھی حیرل زندہ بچا
کہ اس کا ایک دوسرے تیلی کا پیر میں اور انگوشت کی طرف روانہ ہو گئے۔

☆☆☆

جنرل زلمیہاں اور کیشن ملی سب سے اگلی سیٹوں پر پائلٹ کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے۔ جب پائلٹ نے جنرل زلمیہاں اور ملی کے لیے ایک پیغام موصول ہونے کا اعلان کیا۔ دونوں نے اپنی سیٹوں سے منسلک ٹیلی فون اپنے کانوں سے لگا لیے۔ دوسری طرف سے ایما زار علی تھی۔

”بہتر فرماؤ! میں ڈاکٹر ناگموکا ایک ادنیٰ خادم اور باقم سے مخاطب ہوں۔ تم نے کیشین علی کو ملک میں بلا کر کاغذی معافی جرم کیا ہے جس کی سزا انھیں ضرور ملے گی۔ عظیم ناگموکس کبھی معافی نہیں کرے گا کبھی نہیں اپنے انجام کے لیے تیار ہو جاؤ۔“

”شب اب“ بہتر فرماؤ! نے علی کرکھ اور سلسلہ متقطع ہو گیا۔

اس سے پہلے کہ وہ کوئی بات کرے۔ علی نے پائٹ کو اپنی طرف مخاطب کیا اور اسے حکم دیا کہ

[illegible][illegible]

لیکن آپ مجھے امید ہے کہ تم آگے بڑھو اور اعلیٰ ضرورت تھائی ہو کر رہیں گے۔ اس کے خلاف اپنی ہمکار آزاد کلیدی کر دیں گے اور میں اس کا اعلیٰ اعلیٰ تمہارے ساتھ اس میں ہم جاس کے قریب میں جاسوں گا۔ اس آئٹم کے لئے ہم کسی بھی صورت میں کسی طرح نہیں کر سکتے۔

اس کا اعلیٰ اعلیٰ وہ تم کو جانے گا۔" علی نے بڑے سادہ سادہ کہا۔

وہ لوگ ایک خط لکھانے پر غفلت ہو گئے تھے۔ علی نے اس واقعہ کا ذکر کر دیا تو ان لوگوں میں ہلچل مچ گئی۔



۱۹۰
جس کو ملا تھا وہی میں نے دیکھا کہ اس کے پاس ایک کتاب تھی جس کا نام "The Life of Jesus Christ" تھا۔
اسے دیکھ کر میں نے سوچا کہ یہ تو میری ہی کتاب ہے جو میں نے اپنے دوستوں کو دی تھی۔

کائنات کے تمام اجزاء میں سے ہر ایک کو ایک خاص مقام ہے۔ وہ لوگ حیرت کے انداز میں ایک ایک سرگرمی سے

تجربہ میں کئی طرف سے ہوتی ہیں۔ انہیں علم دیا۔ سب اس کے تقاضے

[illegible]

سے لوگ ملای تھیں۔ میں ان لوگوں کے جھنڈ میں چھپ گئے۔ یہ اڑن طاشتری ہمارے لیے

کسی نے یہ سب نہیں دیکھا تھا۔ چھ منٹ بعد ہی ان کی عسکری ان کے سر پر آئی۔

بہارِ اہلِ حق ہے حرّت سے یہ نگاہ کر رہے تھے۔ جب ان کی مصروفی سے دو لیرہ شاعریاں

”جیک ہیوا ایمرے دوست تم واقعی عظیم انسان ہو۔ آج پھر تم نے ہمیں بھال لیا۔“

نہ سے بہ اختیار نظر اور جوش جذبات سے علی سے بغل گیر ہو گئے۔

ملا کے کی آواز سن کر پولیس وہاں پہنچی گئی تھی۔ قصور ڈی ویر بعد ہی وہ پولیس کی گاڑیوں میں

تجربہ ہے۔
 یہاں اہم قرار ہے کہ ہم بہت سے اہم لوگ جنگ کر سکتے ہیں۔

ہرے خیال میں سہارے ملک میں بہت سے ام لوگ پانگو کے قابو میں ہیں۔ ”علی“

مٹی خدا کہاں نہیں ہوتے۔ ان لوگوں کی وجہ سے تو ایک مرتبہ مجھ کو مارے باتھوانے لگا۔

ولہذا اعلان کے لیے پاس کے کرکے۔

مل اس صحرا کے ٹہل میں ہماری اور چڑوسی ملک کی سرحد پر ایک بیٹھکوں میل کا

کھلنا تھا ہے کہاں کے درختوں سے سورج کی شعاعیں بھی چھن کر اندر نہیں جا

قیوم آباد ہے جسے کم بخت ہنگو نے اگلے سیدھے کرب دکھا کر اپنا مطیع کر لیا

اپنے اہل اس نے یہاں اپنے ماتحت دیوتا بھی مقرر کیے ہوئے ہیں جو ان جنگیوں

لے سکتے ہیں۔ یہ علاقہ اتنا گھنا ہے کہ ہم یہاں کے محل وقوع سے واقف ہو ہی نہیں

دیوتا سے ملاقات

”ولیم! اب تمہاری ملاقاتوں کے امتحان کا وقت آ گیا ہے۔“ کیپٹن علی نے ولیم کو اطلاع دیا۔ وہ اس کے ساتھ ہی ایک گھوڑے پر سوار ہو کر پہنچا۔ وہاں گھوڑوں پر سوار جنگی جنگل میں داخل ہو چکے تھے۔ سب نے اپنے اپنے جگہ میں جگہ کر لی۔ وہاں دو تین گھوڑوں کی قس اور ان کی راہنمائی جنرل زلمیان خود کر رہا تھا۔ اس کی عمر پچاس سال کے قریب تھی۔ وہ بھی اس کی صحت قابل رشک تھی۔ زلمیان کی اپنے ملک کے علاوہ دیگر کئی ملک میں بھی اچھی شہرت تھی۔ اس نے دنیا کے بڑے بڑے جرموں پر قابو پایا تھا۔ لیکن ہمارے معاملے میں وہ خود کو بے بس محسوس کرتا تھا۔

جن جن دنوں وہاں قتل کے سلسلے میں داخل ہو رہے تھے جنگل گھنا ہوتا جا رہا تھا۔ آہستہ آہستہ ظاہر ہوا کہ پچھلے دنوں کے گوریلوں اور دشمنوں سے چھین چھین کر سورج کی روشنی آ رہی تھی۔ راستہ بھی اب تباہ و برباد تھا۔ وہاں راستے پر گھوڑوں کے ساتھ سفر کرنے کا مشکل و کھانسی کا وقت تھا۔ جنرل زلمیان اور کیپٹن علی اپنے ہاتھوں میں پکڑے کھانسیوں کی مدد سے گھوڑوں کی قسوں سے راستہ دے رہے تھے۔ لیکن چاکلیک ایک مقام ایسا آیا جہاں سے گھوڑوں کے ساتھ گزرنے کا قیام ممکن نہ تھا۔

ایک چھوٹی سی دیو قس جس کے گرد گرد بڑی کائنات کے دار جہازوں والی پہاڑیاں تھیں۔ کیپٹن علی اور زلمیان نے کئی سو دن بچاؤ کے بعد بجائے کائنات کے دار جہازوں کے اس دیو کے در پہنچنے کا فیصلہ کیا تھا۔ انہوں نے دشمنوں کی قسوں کی مدد سے دریاں ہانڈھ کر ایک کشتی تیار کیا اور اس کا سفر کرنا شروع کیا۔

سب نے اپنے گھوڑے سے نیچے چھوڑ دیئے اور اپنی اپنی کمر بستہ چلیے اور ہر گزے میں داخل ہوئے۔ انہوں نے کس کس جگہ پر پہنچے تھے۔ چھوٹی چھوٹی کمر بستہ چلیے اور ہر گزے میں اب ایک نئی پہاڑیانی نے گھیر لیا۔ وہی جو پہلے بڑی چھوٹی سی کمر بستہ چلی تھی۔ وہاں وہاں آگے بڑھے اس کا پاٹ چڑا ہونے لگا۔ نیچے سے دیو کے ایک کمر بستہ چلیے اور انہوں نے گھوڑوں کا نظارہ کرنے کے لیے اپنی راست میں دو تین آنکھوں سے لگا لی تھی جب تک کہ وہاں تک پہنچا۔ اس نے کھنکھار کر کہا۔

”مائل اور دیکھیے۔“

کیپٹن علی نے صحت دور بین آنکھوں سے لگا لی اور دیکھا۔ وہاں ان کی قس کے ساتھ ساتھ کچھ کچھ جہازیں بھی ان پر نظر آئیں۔ وہاں کے گھوڑے تھے۔ پھر ان لوگوں نے ان کی کشتی کے ساتھ ساتھ چنا شروع کر دیا۔ ان کے ہاتھوں میں نیزے اور ہالے نظر آ رہے تھے اور انہوں نے اپنے سر پہ بڑے بڑے پردوں کے تاج بھی پہن رکھے تھے۔ یہ ایک لکھنوی ان کے جسم پر موجود تھی۔ کئی شاہیوں کا لباس تھا۔

ولیم نے بھی اب اپنی آنکھوں پر دور بین لگا لی تھی اور اس طرف دیکھنے لگا تھا۔ وہ کشتی کو دریا کے درمیان رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ یہ لوگ ابھی میں انسان نہیں پہنچا کر ابھی کے نزدیک ہونا خطرناک ہے۔ ان کے مختلف قبیلوں کی اپنی حدود ہیں اور یہاں پر ایک حد تک ہمارا تعاقب کریں گے۔ اس کے بعد وہاں لوٹ جائیں گے۔“ اس نے سب کو ہدایت کی۔

علی اور عامر کشتی کے دونوں کناروں پر آنکھوں کو پوزیشن میں لے کر بیٹھ گئے۔ جنرل زلمیان اور ولیم نے ڈیڑھ گھنٹہ کی مدد سے اپنی کشتی کو دریا کے درمیان رکھنے کی کوشش شروع کر دی اور نیچے آنکھوں سے دور بین لگا لی۔ وہ ان جنگیوں کی نقل و حرکت کا جائزہ لے رہا تھا اور ساتھ ہی انہیں بتاتا جا رہا تھا۔ قریب آدھ گھنٹہ تک وہ لوگ اسی حالت میں سفر کرتے رہے۔ اب کشتی کی رفتار بھی پہلے سے کچھ زیادہ تیز ہو گئی تھی۔ پھر نیچے نے اعلان کیا کہ اب انہوں نے تعاقب کرنا چھوڑ دیا ہے اور سب واپس لوٹ رہے ہیں۔ باری باری سب نے آنکھوں سے دور بین لگا کر اس کی خبر کی تصدیق کر لی اور خدا کا شکر ادا کیا۔

☆☆☆

ولیم اس دوران بڑی ہوشیاری سے ماحول کا جائزہ لیتا رہا تھا۔ اس نے قریب آدھ گھنٹہ حریف سڑک کے بعد کشتی کو کنارے کی طرف لگانا شروع کر دیا۔ پھر کشتی کنارے سے جا گئی اور وہ ایک ایک

کے لئے اس سے اتنے بڑے تھے۔
 کئی کہیں نے انہیں مجھ دیا تھا اور اب وہ کسی معمولی لڑکے کی سی نظر کرنے میں سرگرم تھے۔
 ہمارا ٹپک لڑکی جیسا ہی تھا۔ چنانچہ یہ بڑی نیک تھا جس کے لوگوں کو دیکھ کر دھڑکتے اور دلچسپ تھے۔
 کی وجہ سے اس کا سہرا سہرا کی طرح تھا۔ وہ رات انہوں نے سینک امر کے لئے کھڑے تھے۔
 یہ تھا کہ وہ اب یہاں پہنچی تھی۔ وہ رات انہوں نے سینک امر کے لئے کھڑے تھے۔
 اس نے کہا کہ اگر وہ رات کی چھٹی بجی چائے پورے اور کیزے کوڑوں سے محفوظ رہیں گے۔
 دیکھ کر اس نے کہہ دیا کہ وہ رات کے لئے تیار تھے۔
 پہلی صاف و لم کے بیان کردہ تھے کہ میں مطابق تھے جس سے کینٹن علی علی اس کی
 فہم کی اور یہ بڑے عرصہ تک وہ لم کے جو کچھ بتایا تھا وہ بالکل ویسے ہی حالات اور ماحول کا مناسبت
 رہے تھے۔ اس کے لئے انہوں نے اپنے ساتھیوں کو چند خط لکھے تھے تاہم انہیں اور وہ چل دیئے۔
 وہ رات کے آگے چلے گئے اور ان کی رہائشی کے قریب انہیں اس کے ہاتھ اور باقی لوگ فرمیں کی
 طرح ایک خاص تہیہ میں اس کے پیچھے آ رہے تھے۔ اچانک چلتے چلتے وہ رک گیا۔ اس نے پیچھے
 دلوں کی اس نے دیکھ کر ان کا شمار کیا تھا۔ مگر وہ زمین پر لپٹ کر اپنا کان زمین سے لگا کر کچھ سن کر اپنے
 کی کوشش کرنے لگا۔ وہ جیسا کہ اس کی پوزیشن میں رہنے کے بعد وہ اٹھ کھڑا ہوا۔
 "ہمارا اتفاق کیا جا رہا ہے۔" اس نے اعلان کیا۔

"نیرا گوشت تو بہت کڑا ہے۔ اول تو کوئی اسے کھائے گا ہی نہیں۔ اگر کسی نے کھایا بھی تو
 اسے بڑی پیڑھا جائے گی۔ اس لیے مجھے تو اتفاق کی کوئی نظر نہیں۔" عامر کی طرف سے اچانک ہی ایسی
 بات کہہ دی گئی کہ جنرل زبدان بھی بے ساختہ ہنس دیئے۔
 اس نے اپنی زندگی میں آج تک ایسے دلیر لوگ نہیں دیکھے تھے۔ یہ لوگ تو موت کی گونش
 ہی لے لیتے تھے اور بالکل غیر مجبور رہتے تھے۔ نیچا بظاہر پچھڑا تھا لیکن وہ بالکل ماہر فوجیوں کے
 انداز میں اس کا ساتھ دے رہا تھا۔ اس نے جنرل زبدان کو اپنی کسی حرکت سے ابھی تک اپنی کم عمری کا
 اس میں شک نہیں کیا تھا۔

کینٹن علی نے سب کو اشارہ کی دوسرے پوزیشن میں سنبھالنے کا حکم دیا تھا۔ اس نے اپنا ٹپک
 زمین پر رکھا جس میں سے سامان نکال کر بڑے شروع کر دیا تھا۔ اور مشکل دو منٹ بعد ہی اس کے ہاتھ
 میں ایک چار تیرہ راتوں موجود تھی۔ اس کی ہدایت پر نیچے نے سامنے والے ایک درخت پر موجود
 سنبھال کر اتفاقاً ان کی نظر ان کی دیکھیں ہو گئی جو آہستہ آہستہ فزے تانے ان کی طرف بڑھ رہے

تھے۔ نیچے کے پاس آواز دے کر اپنے ساتھیوں کو خبر دے کر اسے کھینچ کر لے گئے۔
 اس نے اپنے ہاتھ میں کل سے وینڈر کر چڑکی بن کر اس کی مدد سے نکال کر اپنے کام پر لے
 دیں کے سین اور سامان کر چلنے چھپنے۔ ہوا۔ ہم ایک تھوڑے دیر کے بعد اس کے پناہ گزینوں کے پاس پہنچا
 گئے۔
 اس کے ساتھ ہی سارا دھنک گیا۔ یہ غریب اور اداکاری ٹپکوں کی آواز سے کھینچ کر لے گئے۔
 پھر وہیں کی بارش شروع ہو گئی۔ وہ لم نے انہیں بتا دیا تھا کہ حالات کیسے ہیں یا کتنے ہیں اس لیے اب اس نے
 اپنے آپ کو ان حملوں سے محفوظ رکھا ہوا تھا۔
 جیسے ہی ان کی طرف تھیرا لے شروع ہوئے۔ انہوں نے تڑپ کے مطابق چاند کی طرف
 بازنگ شروع کر دی ابھی چند گولیاں ہی چلی تھیں کہ علی نے سب کو دوسرے دار سے کھانڈک سے
 کیا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے اپنے ہاتھ میں پکڑی گن سے تینوں سٹوں میں ایک ایک گولیاں
 صرف چوتھی سٹ محفوظ رہی۔ چار گولیاں سفر کرنا تھا۔ سب گولیاں روکے تینوں طرف چل کر پچھڑا گیا۔
 گئی تھی۔

صرف تین فائرروں نے جھگیوں کو بھانپتے پر بھڑک کر دیا کیونکہ وہ اس ٹپک کو غلاب لپی کھینچ
 تھے۔ اپنے پیچھے بھاگتے ہوئے وہ اپنے ساتھیوں کی آکھیں بھی چھوڑ گئے تھے۔
 "آئندہ کوئی صاحب ضرورت کے بغیر ایک گولی بھی فائر نہ کریں۔" میں اسے کو بہت
 سنبھال اور سوچ بچھ کر استعمال کرتا ہے۔" اس نے ہدایت دی۔
 "میں تو کم از کم ایک گولی اپنے مرنے کے لیے ضرور سنبھال کر رکھوں گا کیونکہ مجھے ان
 دشمنوں کے ہاتھ سے مرنا بالکل پسند نہیں۔" عامر نے کہا۔

وہ اچانک ایک درخت سے چھلانگ لگا کر ان کے درمیان آ کر تھا۔ سب دیکھ کر حیران رہ
 گئے کہ وہ تو اس جنگل کا کوئی ہاسی دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے بالکل متدی جھگیوں کا سارو پتہ عیاں کر
 دیا۔ سب باری باری اسے دیکھتے اور مسکرا رہے تھے۔



سب لوگ ایک بار پھر ولیم کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔ اچانک وہ ایک چٹری عمارت
 دیکھ کر رک گئے۔ جنگل میں یہ عمارت بڑی عجیب سی نظر آ رہی تھی۔ یہ عمارت ایک پناہ گزینوں کی
 تھی اور تازہ دینی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ کینٹن علی نے انہیں دیکھ کر اشارہ کیا۔ پھر انہوں سے دور ٹھنک کر
 دیکھا۔ عمارت گرے کی شکل کی تھی اور اس کے باہر ایک صلیب بھی لٹکی نظر آ رہی تھی۔

آج سے تین سال پہلے یہ گر جا بھی شوم اور اس کے ساتھیوں کی مدد سے میں نے تیار کیا تھا اور اب میرا قیام یہی ہے۔ میں ان لوگوں میں تبلیغ کرتا رہتا ہوں۔ جس شخص کو تمہارے ساتھی نے دیکھا اس کا نام لومبا ہے اور وہ امریکہ کا رہنے والا ہے شہر زمرہ مانے کا قس اور ڈاکو ہے۔ ساری دنیا کی حکومتوں کو اس کی تلاش ہے۔ یہ بڑا مکار اور بد معاشر آدمی ہے۔ ان لوگوں نے یہاں اپنا ایک گروہ بنا رکھا ہے۔ ان کے گروہ کا لیڈر ڈاکٹر ناگمو ہے جو اس علاقے کے لوگوں کا جعلی خدا بنا ہوا ہے اور لومبا نے نزدیک ہی موجود

نہیں سال بعد کسی مہذب انسان کی عقل تو نفقہ آئی۔ "اس کے چہرے
میں نیراگی کے چٹرات موجود تھے۔"

قداس کا بھٹا، اعلیٰ ملازمت کا اشارہ ہے۔ کونسی عورت ملی جا کر رہا تھا۔
 وہ بچوں کی طرح ہاتھوں میں لٹے رہتا ہے۔ داری کی بتائی ہوئی سوت میں سڑ کر رہے تھے
 وہبہا کہہ نہیں سکتی تھی کہ اس کے پاس بچے لائے۔ وہ کڑواہٹ لکھی سی زوردار تھی۔ ملی نے فوراً اشارہ کیا
 کیا کہ وہ لوگوں نے کمالیہ بھٹیاری سے یہاں چاروں طرف 1500 تانیکر چھپا رکھے ہیں جن کا کنٹرول
 کئی اور موجود ہے جس کے ذریعے یہ آواز پیدا کی جاتی ہیں۔ آواز بالکل جنگی جہاز کے جیسے تھی۔

اس کے ساتھ ہی ولیم نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ یہ مخصوص اشارہ تھا۔ قمری علی صبر
 بردہ اپنے ذریعہ ایک لمحے رشت کے چوں میں ایک سو فی فیٹی پر پیچھے پیٹھے یہ نظارہ دیکھ رہے
 تھے۔ اگر اس رشت کی طرف کوئی روشنی آتی تو بھی ان کے نظر آنے کا خطرہ نہیں تھا۔
 کڑواہٹ اب ایک جھڑپ کی آواز میں بدل گئی اور ایک دم سامنے کا سارا علاقہ روشنی سے
 خور ہو گیا۔ انہوں نے دیکھا سامنے ایک بڑا میدان تھا جس کے ایک کونے میں نیم دائرے کی شکل میں
 فی لوگوں کے جھونڈے بچے ہوئے تھے۔ جھونڈوں کے باہر مختلف مقامات پر آگ کے کلاؤں کی نظر
 آ رہے تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ جنگی اپنی جھونڈیوں سے لکل کر نیم دائرے کی شکل میں اس علاقے
 کو جگمگاتے تھے۔

ایسا ایک حیرت انگیز منظر تھا۔ انہیں چھٹکا دیا۔ ان کی آنکھوں نے دیکھا اس میدان کے
 ایک کونے سے دھاگہ بادل لٹک رہے تھے۔ یعنی وہ اور ایک شہری کرسی پر ایک ٹھکانا آدھی آدھا
 جس کے سر پر کئی جھونڈے لٹک رہے تھے۔ کرسی کا رنگ شہری تھا اور اس پر موجود اس جھلی دھیتانے
 لائے پڑے تھے۔ ان پکڑوں میں سے اس کے دو کے بجائے چار بازو نظر رہے تھے۔
 ”یہی ہے ڈاکٹر ناگو۔“ ولیم نے سوگوشی میں بتایا۔

مجھے معلوم ہے۔ ”ملی بولا۔
 ”کم بخت نے کس طرح ان لوگوں کو بے وقوف بنا رکھا ہے۔“ نیچے نے سرگوشی کی۔
 ”ہم ہی آپ نے دیکھا ہی کیا ہے۔ اس شیطان کے بڑے بڑے خطرناک روپ ہیں۔“
 ولیم بولا۔

”جیسا سوتلی سے نظارہ کرنے لگے۔ جب ناگو نے اپنا جھکا ہوا سر سیدھا کیا تو اس کی
 آنکھوں سے سورج کی گہری لہر نکلی۔ اس کے ساتھ ہی ایک گونج دار آواز پیدا ہوئی اور تمام جنگی
 جہازیں اس کے لہرے لہرے سیاہ کام کوئی طرف قدم بڑھاتے دیکھا۔

لوہا کروں جھکائے اس کے لڑا کچھ نکلی گیا۔ اس نے اپنی گردن پر ہاتھ رکھا جس سے اس کا
 نے اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر گویا اس کا ”آشیر باد“ سن رہی تھی۔ پھر اس نے ایک سیٹھ بڑا کڑواہٹ
 اور دونوں ہاتھ باندھ کر لائے تھے۔ دونوں دائیں ہاتھ لگے۔ وہبہا بچوں کے نزدیک آگیا تو اس کا
 زوردار دھڑکائی۔ اس کے ساتھ ہی ناگو کے منہ سے آگ خارج ہونے لگی۔ ہاتھ بڑا کڑواہٹ
 دکھانے والے دھاری اپنے منہ سے نکلا کرتے ہیں۔

جنگی جو اٹھ کر کھڑے ہو گئے تھے، اس دھڑکے ساتھ ہی دوبارہ کھڑے ہو گئے۔ اس کے
 ساتھ ہی کرسی ویسا سمیت زمین میں غائب ہو گئی۔ انہوں نے دیکھا تھا کہ یہاں زمین میں گودا
 زبے نصب ہیں جن کے ذریعے اس کرسی کو کنٹرول کیا جاتا ہے۔
 بہر حال جو بھی تھا، ناگو نے ان ڈھکی لوگوں کو اپنے نظام کار کا نظارہ دیا۔ وہ اپنے دیوتا کے اشارے
 پر کٹ مرنے کو تیار تھے۔ کرسی غائب ہوئے ہی روشنی بھی غائب ہو گئی۔ اب وہاں صرف آگ کے کلاؤ
 دکھائی دے رہے تھے۔ وہ لوگ واپس اپنے ٹھکانے کی طرف مڑ گئے۔



ویل ڈن

تینوں وہابیوں اپنے لٹکانے کی طرف واپس لوٹ رہے تھے۔ ابھی وہ گرے سے
بہکل ایک فراتگ ادھری تھے جب شپ کو زمین اپنے قدموں سے سر کی محسوس ہوئی۔ ان کے سامنے
ایک شیر کھڑا تھا۔ تاجہ شیر آواز سے پہلے اس نے کسی سرکس یا چڑیا گھر میں بھی نہیں دیکھا تھا۔
کیشن علی کا ہاتھ فوراً اپنے ہتھکڑی کے ساتھ لگے ہوئے سر کی طرف گیا جہاں ایک رجم اور
موجود تھا۔ ولیم نے اسے فوراً منع کر دیا۔ دونوں جھرا گئی سے ولیم کو دیکھنے لگے۔ ولیم شیر کی آنکھوں
میں آنکھیں گاڑے کھڑا تھا۔ اس نے بڑے خاص طور پر اپنے ہاتھ میں پکڑی ہوئی روشنی کرنی
تھی۔ یہاں سے اپنے ساتھ ہی لے گئے تھے۔

بارتھ کی روشنی شیر کی آنکھوں میں چڑھ رہی تھی اور ولیم کے منہ سے عجیب و غریب آوازیں نکلی
شروع ہو گئیں۔ بالکل یوں محسوس ہوا تھا جیسے ولیم شیر کو کچھ سمجھانے کی کوشش کر رہا ہے۔
شیر کی فراہم ابھی تک جاری تھی۔ لیکن جیسے جیسے ولیم کے منہ سے نکلنے والی آوازوں میں
الٹا ہوا ہاتھ شیر کی فراہم کم ہوتی چلا رہی تھی۔ یوں دکھائی دیتا تھا جیسے وہ ناہل حالات میں واپس
لوٹ رہا ہو۔

اب ان کے دیکھنے ہی دیکھتے ولیم نے اس کی طرف بڑھنا بھی شروع کر دیا تھا۔ نیچو ایک
مرتبہ تو کم کر دیا گیا لیکن فوراً ہی اسے سرکس والا ولیم یاد آ گیا جو ایک ہی وقت میں تین تین شیروں کو
گھبراہٹ کی طرح قہقہہ کر رہا تھا۔ اس وقت بھی ولیم کے منہ سے کچھ ایسی ہی آوازیں نکلا کرتی تھیں
اور وہ اپنے شیروں کے ایسے نکالتے لوگوں کو دکھایا کرتا تھا کہ وہ دنگ رہ جاتا کرتے تھے۔
اس لمحے کے سامنے وہی سرکس والا ولیم موجود تھا۔ جس نے اب شیر کے سر پر ہاتھ رکھ کر

وہابی کے شروع کردہ ہاتھ اس کے منہ سے بدستور آوازیں نکلتی تھیں اور اس کا ہاتھ ہاتھ
کے سر پر چلا رہا تھا۔ ان کے دیکھنے ہی دیکھتے شیر نے ولیم کے قدموں میں اپنا سر ڈال دیا۔
"ویل ڈن!" یہ سانس کیشن علی کے منہ سے نکلا۔
"وہا! اعلیٰ!" انھیں نے اپنے ہاتھ پر دھڑکی۔

اسے اب ایسی طرح سمجھ آ گئی تھی کہ کیشن علی نے آٹھ ولیم کو اپنے ساتھ اس جگہ تک لے
جایا ہے۔ ولیم نہ صرف جاکو کا بھیدی تھا بلکہ ایسے خوبصورت ہتھکڑی اور عدول کو اپنی آنکھوں پر پہانے کا بھی
اسے ابھی طرح آتا تھا جس سے ان لوگوں کا واسطہ نہ چسکتا تھا۔
"اگر آپ اجازت دیں تو صرف تین دن کی فراہم کے بعد اس شیر کو آپ کی سواری کے
فائل چلا سکتا ہوں۔" ولیم نے اس کی کمر پر ہاتھ بھیرتے ہوئے علی کو جواب دیا۔
علی صاف کر رہ گیا۔

ولیم نے شاید یہ بات کسی خاص منصوبے کے تحت کہی تھی۔ پھر اسے ولیم کی بات سمجھ گئی۔
اس کے ذہن نے ایسا شاندار منصوبہ تیار کیا تھا کہ وہ اس شیر کی مدد سے ہاتھ بھینچ کر کافی کھا سکتا تھا۔
"ارے واہ!" وہ خوشی سے اچھل پڑا۔

ولیم بھی اس کی بات سمجھ کر مسکرا دیا۔ دونوں نے ایک ہی نتیجہ اخذ کیا تھا لیکن ابھی تک نیچو کی
کی بات سمجھ نہیں آ سکی تھی۔ اب ولیم نے آگے آگے چلنا شروع کر دیا تھا اور اس کے پیچھے پیچھے شیر ایک
ہاتھ سے کی طرح چلتا ہوا آ رہا تھا۔ ان دونوں کے پیچھے علی اور نیچو آ رہے تھے۔

☆☆☆

گرے کے باہر وہ سب بے چینی سے ان کے منتظر تھے۔ جب انہوں نے تینوں کے ساتھ
شیر کو بھی آتے دیکھا تو چپکرا کر رہ گئے۔ جزل زلمدان کا ہاتھ تو بے اختیار اپنی طاقتور راتھ کی طرف
بڑھا تھا لیکن عاشر پر سکون اپنی جگہ کھڑا رہا۔ اس کی عقل پر نظر پڑنے ہی جزل زلمدان نے ابھی سہارا
راتھ ایک طرف رکھ دی۔

گرے سے ملحقہ ایک چھت کے بغیر چار دیواری کو پادری نے لکڑی کے مضبوط تختوں کے
دھارے سے بند کر رکھا تھا۔ ولیم کی ہدایت پر ان لوگوں نے دو دروازہ ہٹا دیا۔ ولیم نے شیر سے گھر اس
زمان میں کچھ کہنا شروع کر دیا۔ پھر سے پچھارتے ہوئے اپنے ساتھ اس ہارے کی طرف لے گیا۔
ہارے میں شیر کو داخل کرنے کے بعد وہ دو دروازہ اس نے بند کیا اور اپنے بیک کی طرف گیا۔
سب لوگ حیرت سے اس کی حرکتوں کو دیکھ رہے تھے۔ ان کے دیکھنے ہی دیکھتے اس نے اپنے

دہائی سے ایک عید سے پہلے والی چھٹی نکالی۔ پھر کپٹن علی سے کہا کہ صبح اور ہر روز نکال کر کیا نکالوں گا۔
 ایک شے سے ایک چھوٹا سا کھانا۔
 کوئی گوشت بھی چاہو اور آئے گی۔
 تو یہی وہ بعد ہر دن کی رات پر وہ شوق چلا کر رہا تھا۔ پھر وہ وہ دن ہوا کہ اس کی طرف سے
 اور ان کے سامنے اس نے شیر کا لائی جس میں خاص کر کے کے بعد وہ رات نکالنے کی نصیحت
 دی۔ شیر نے اچھا نہیں سنا اور وہ لائی اور وہ دم دور از وند کر کے باہر نکل آیا۔
 اس دن وہ کپٹن علی کی پادری، زامدان اور عمار کو ساری رو دیا سنا چکا تھا۔
 "وہور سے ہم" سب کے ساتھ سے بے سادہ نکلا۔

"ہم نے اسے صبح تک گری بندہ ملا دیا ہے۔ اس دہائی کی مدد سے اس کے معاملے کی
 ملاحظہ خاصی کم پڑ گئی ہے۔ آپ لوگ بھگتے کہ ہم ایسی ادویات کی مدد سے ان جانوروں کی
 طرف سے ہر ایک حالت کو دور کرتے ہیں۔ اس طرح ان کی طبیعت خود بخود اسی کی طرف مائل نہیں ہوتی۔"
 "وہ اعلیٰ الشراب بھگا آپ لوگ آخر شیر اور بکری کو سرکس میں ایک ہی جگہ کیسے رکھا کر
 دیتے ہیں۔" "بندہ ہوا۔"

"شاہ شہزادہ واقعی ذرا بڑے ہو۔" ولیم نے جواب دیا۔
 "اور میرے بارے میں کیا خیال ہے آپ کا؟" عمار بولے بغیر تہہ رسکا۔
 "اس کا جواب میں زیادہ بھڑوے سکا ہوں۔" اس کے بجائے علی نے کہا۔
 "آپ تو رہے ہی دیکھتے۔" عمار نے چلے گئے لہجے میں اس اعزاز سے کہا کہ وہ مسکرائے اور
 نودے۔

ولیم نے پادری کو بھگایا تھا کہ وہ اس شیر کی مدد سے کیا کرنے والے ہیں۔ اس نے پادری
 سے درخواست کی تھی کہ جس طرح بھی ممکن ہو وہ اس شیر پر لوسا کی نظر نہ پڑنے دے ورنہ کوئی مسئلہ بھی
 حل نہ سکا ہے۔

"تم ہر ممکن کوشش کروں گا۔" پادری نے اسے داد طلب نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔
 "لیکن اس کی خواہش کا بندہ است؟"

اس کی گرا آپ باطل نہ کریں۔ "بہز ل زامدان قریب ہی سے بولا۔ کل صبح تک آپ کو اس
 کیلئے خاصی خواہش مل جائے گی۔"

"اگر نہ مرنی آجائے تو میں حاضر ہوں۔ کم از کم بعد میں کوئی یہ تو کہہ سکے گا کہ مجھے شیر نے
 مار دیا کی گیدڑ نے نہیں۔" عمار بولا۔

"ہمیں کبھی ضرورت نہیں۔" عمار نے ان میں ہر بات پہلے سے سوچ کر ہی کہی۔
 "میں نے آپ سے یہی توقع رکھی ہے۔" عمار نے کہا اور سب مسکرائے۔
 انہوں نے ان میں اب صبح ہونے کو آ رہی تھی۔ بہز ل زامدان نے علی کو قید کر کے قید خانہ میں
 بھی دے دی۔ باقی لوگ اپنے اپنے چنگ بیکر میں گھس گئے۔ وہاں کی دکانوں پر آکر ہر گھر کے گاہک ہو گئے۔
 انہوں نے ایک چنگی بھینسا اور دو ہر ان نکال کر رکھے تھے۔ اور انہیں وہ انہوں کی شاعروں کی مدد سے چاکر
 مڑا چکا وہی لا کر رکھا جاتے ہوئے یہاں تک لائے تھے۔
 ☆ ☆ ☆

ان لوگوں نے اب وقت ضائع کرنے کی بجائے ہانگو کے پتھر اور کوکھش کر کے کاٹوری
 فیصلہ کر لیا تھا۔ اس سے پہلے کہ ہانگو ان کی آمد سے خبردار ہوتا، انہیں اس کے نکالنے کا چاہا ہی نہیں۔
 لہذا اس مقدمہ کا جہاں اس نے اپنی خطرناک ایما کو ذخیرہ کر رکھا تھا جس کے شہر نے یہ وہ ساری
 دنیا کی حکومت کے خواب دیکھ رہا تھا۔
 شہر با ابھی تک واپس نہیں لوٹا تھا لیکن پادری نے انہیں بتایا تھا کہ وہ اب ایک دور دراز ہی میں
 واپس لوٹ آ چکا۔

کپٹن علی نے دو پارٹیاں بنائی تھیں۔ ایک پارٹی میں علی اور ولیم شامل تھے۔ دوسری پارٹی
 بہز ل زامدان، عمار اور نیچو پر مشتمل تھی۔ انہوں نے دو مختلف ستوں میں سڑک تیار اور پھر اس ٹھکانے پر لوٹ
 کر واپس آنا تھا۔ ان کے پاس اس سلسلے میں چار تین آلات موجود تھے جن کی مدد سے کسی بھی زمر
 زمین پناہ گاہ کا پتہ لگایا جاسکتا تھا اور اس کے پہلے ولیم نے پادری کو کچھ ٹھکانے تیار کر کے دیے تھے اور
 جانیت کی تھی کہ شیر کو وہ قافو قافو چلا تار ہے۔

اگلے روز علی صبح وہ اپنے اپنے مشن پر روانہ ہو گئے۔
 کپٹن علی اور ولیم مغرب کی سمت اور دوسری پارٹی شمالی مشرق کی سمت سڑک پر ہی تھی۔
 وہ لوگ اب گرجے سے بہت دور آ گئے تھے۔ عمار بہز ل زامدان کی جسمانی بھارتی پر حیران تھا۔ وہ
 نو جوانوں کی طرح بھاگ بھاگ کر ان کے آگے چل رہا تھا۔ انہیں مسلسل سڑک کرتے پانچ گھنٹے
 ہوئے کو آئے تھے لیکن ابھی تک کوئی تسلسل محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ چلنے پھرنے کا کام عمار نے بہز ل زامدان
 کو چھپ کیا:

"بہز ل صاحب! اب میں نے وہ سب کچھ نکال دیا ہے۔"
 "کیا مطلب؟ کیا نکال دیا ہے؟" بہز ل نے چونکتے ہوئے گردن تھما کر پوچھا۔

”تو جانک ساری خبر ہے جس میں جنت قمار و دولت کی طرح کام کرنا دیکھا۔“
 ”جہاں جنت کی بات ہے اس کی بات کی اب کچھ آگئی۔“
 ”جہاں جنت کی بات ہے اس کی بات کی اب کچھ آگئی۔“
 ”جہاں جنت کی بات ہے اس کی بات کی اب کچھ آگئی۔“
 ”جہاں جنت کی بات ہے اس کی بات کی اب کچھ آگئی۔“

”جیک ہے۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ مجھے ہونے کے ساتھ ان آدم خوروں کی
 فوج کا صفوں۔ وہ میری موت کے بعد بھی یہ مجھے بدعائیں دیتے رہیں گے۔ دوسری صورت
 میں بے چارے میری موت کو کھائیں گے۔“
 ”جہاں جنت کی بات ہے اس کی بات کی اب کچھ آگئی۔“
 ”جہاں جنت کی بات ہے اس کی بات کی اب کچھ آگئی۔“
 ”جہاں جنت کی بات ہے اس کی بات کی اب کچھ آگئی۔“
 ”جہاں جنت کی بات ہے اس کی بات کی اب کچھ آگئی۔“

”ایسی اکل اکل میں نے سوچا وہ بھی تو صحت کے لئے ضروری ہے۔“
 ”جہاں جنت کی بات ہے اس کی بات کی اب کچھ آگئی۔“
 ”جہاں جنت کی بات ہے اس کی بات کی اب کچھ آگئی۔“
 ”جہاں جنت کی بات ہے اس کی بات کی اب کچھ آگئی۔“

”جہاں جنت کی بات ہے اس کی بات کی اب کچھ آگئی۔“
 ”جہاں جنت کی بات ہے اس کی بات کی اب کچھ آگئی۔“
 ”جہاں جنت کی بات ہے اس کی بات کی اب کچھ آگئی۔“
 ”جہاں جنت کی بات ہے اس کی بات کی اب کچھ آگئی۔“

”جہاں جنت کی بات ہے اس کی بات کی اب کچھ آگئی۔“
 ”جہاں جنت کی بات ہے اس کی بات کی اب کچھ آگئی۔“
 ”جہاں جنت کی بات ہے اس کی بات کی اب کچھ آگئی۔“
 ”جہاں جنت کی بات ہے اس کی بات کی اب کچھ آگئی۔“

روایتی ہے۔
یہ کہ اپنی کنویں کو اس کی صلاحیت رکھتا تھا۔
☆☆☆

انہوں نے آج کی سب سے پہلی شروع کر دی۔

[illegible]

جزل زہدان کا چہرہ غصے سے ال سرخ ہو رہا تھا۔ اس کا منی چاہتا تھا کہ اس کم بخت کو کاٹ دیا جائے لیکن وہ اسے نہیں تھا۔ اس نے عامری طرف دیکھا جس کے چہرے پر حسب سابق وہی مسکراہٹ نظر آ رہی تھی۔ وہاں نے آگہوں کی آنکھوں میں کچھ مشورہ کیا اور اپنے ہتھیار چھینک دینے پر ابتر لک۔ خود راہ را چھوٹی حالت میں رہا جس تک جزل زہدان نے اپنی جیب میں رکھا ہوا تھا۔

تجارت سمجھنے کی انہیں بھی اطراف سے آدم خوروں نے گھیر میں لے لیا۔ وہ انہیں نکال دیا۔
 کی طرف ہاتھ ہونے لگا رہے تھے۔ جس راستے پر وہ لوگ تھوڑی دیر بعد پہنچے وہ دونوں نے قوت کیا
 کہ یہ راستہ خاص طور پر سے تیار کیا گیا ہے کیونکہ جیسے ہی وہ اس راستے پر ہٹ کر چلنے کی کوشش کرتے
 انہیں ہانک کر وہاں اسی راستے پر ڈال دیتے۔

”میرا خیال ہے، مانگوئے اس واسطے پر کوئی ریڈار فٹ کیا ہوا ہے تاکہ ہماری نقل و حرکت پر عمل قیود کو کنٹرول کرے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ ہمیں اس واسطے پر پھنسنے پر مجبور کر رہے ہیں۔“ عامر بولا۔

اب اس کو ایک میدانِ علاقہ نظر آنے لگا تھا جس کے ایک کنارے پر ان لوگوں کی جموں ہزاروں
 بھی بنی ہوئی تھیں۔ جنگل کے خاتمے پر انہیں ایک پلیٹ فارم سامنا ہوا نظر آیا۔ جیسے ہی وہ لوگ میدان
 میں داخل ہوئے انہیں دیکھ کر کچھ حیران۔

”عزل ذہن! یہ تم کی آواز سنائی دی۔“ میں نے قم سے کہا تھا کہ زیادہ چالاکی نہ دکھاؤ۔

119

اس کے ساتھ ہی بچیوں کو ان کی زبان میں کچھ کہہ کر کیا جو ان دونوں کے لیے نصیحت ہو۔
 وہ اپنے اقصوں کی مدد سے اسے بتا دے گا کہ یہ کون سا ہے۔

جزل زمین نے بادل اٹھوا کر ہم نکال کر جوڑ میں پہنچا دیا۔ یہاں ہمیں نے دوست کا گھر

عالم نے اپنے گلے سے لاکٹ اٹھا اور جان بوجھ کر سامنے نظر آنے والے ایک چنگی کے نزدیک پہنچ دیا۔ اس نے خاص خیال رکھا تھا کہ لاکٹ ٹھوس راستے سے جٹ کر گرنے تک نہ جھکو سکے نہ نظر آئے۔ چنگی پہلے تو اس کی چمک کو محسوس کی، دیکھتا رہا پھر اس نے اپنی ٹھوس زبان میں جھپکا تو ایک اور چنگی جس کے سر پر پروں کا بنا تاج رکھا تھا آگے بڑھا اور اس نے لاکٹ اٹھا لیا۔ فصیح کا سر وار نظر آتا تھا۔ وہ لاکٹ اس نے جوں کا توں اپنے گلے میں ڈال لیا اور خوشی سے تار

”خدا تمہارا بھلا کرے!“ عامر بڑبڑایا۔

اس کا مقصد صلہ ہو چکا تھا۔ گو کہ اب کیشین علی کو اس جنگ کی نشان دہی نہ کرنا چکے تھے مگر بھی جب تک یہ لاکٹ اس جنگی کے محلے میں موجود رہتا، ان کی نقل و حرکت کا علم کیشین علی کو ہوتا رہتا۔ اور اس صرف ایک بات پر مطمئن تھے کہ کم از کم بیچان قوموں کے ہاتھ نہیں لگا۔



نئے دیوتا کی آمد

جنگلی لوگوں کو ہانتے ہوئے اب جو پیڑوں کے ایک کونے پر کالے پتھروں سے بنائی ایک عمارت کے سامنے آئے تھے۔ ان کی شکل دیکھتی سی جھونپڑوں کے اور بھی بہت سے سپاہی فوج میں آئے اور وہ سب اپنی کراٹھ کے گرد ایک دائرے کی شکل میں قوس کر رہے تھے۔ یہیں دکھائی دیتا تھا جیسے اپنی فوجی کا کھرا کر رہے ہوں۔ جیسے ہی کالے پتھروں کا دوروازہ کھلا، وہاں سے اسرا برآمد ہوئے۔

لوہا کی شکل پر نظر پڑتے ہی ان کے قدم ختم گئے اور وہ فوراً اپنی اپنی جگہ بند ہو رہے ہو گئے۔ اسرا نے ان کی زبان میں اپنی آواز میں کچھ کہا اور تمام جنگلی اپنے ہاتھ باندھے اٹھے قدموں اپنی جھونپڑوں کی طرف الٹے لوٹے گئے۔ اس کے ساتھ ہی عمارت کے دوروازے سے دو انگریز نمودار ہوئے جنہوں نے ہاتھوں میں ٹوکرا رکھیں پکڑ رکھی تھیں۔

لوہا کی طرف ہٹ گیا اور اس نے دونوں کو عمارت کے اندر داخل ہونے کا حکم دیا۔

”یہ ایک ڈنگی“ (کالے گدھے)۔ عامر نے اس کے قریب پہنچ کر اسے چڑایا۔

”شٹ اپ!“ اسرا بولا۔

”نائیک! آپ تو اقلی برائے“ گئے دیوتا صاحب! کیا آپ غصے کے دیوتا ہیں؟“ عامر نے اسے صراحت دیا۔

”مگر تم نے بہت باتیں کر لیں۔ اب تم بولنے کے قابل ہی نہیں رہو گے۔“

”کتنی قسمت کچھ۔“ وہ غصے سے پتھر مارا۔

”اسرا! تم نے مجھے بھی بہت دلچسپی ہے مسٹر دیوتا اور میں ہاتھ کے بجائے ماتھے کی گلی پر دھا

دوستان کی آمد
کرتا ہوں۔ تمہارے ماتھے کی گلی پر چھ کر میں نے تمہیں گولہ مارا تھا۔“ عامر نے اس کے ماتھے پر گولہ مارا۔

”نہ زیادہ کچھ کہت کرو!“ اسرا ہنستے ہوئے اس سے بچتا تھا کہ اسے گولی لگے گی۔
”تمہاری حالت یہ کچھ برتر ہے لیکن کیا کر سکتا ہوں؟ یہ اس مرد ہنگامہ کو لے کر لے کر کا احتساب خوب کیا ہے۔“ عامر نے پھر اسے طعنے لگائے۔
”کاش پاس کے نہیں اپنے ہاتھوں سے مارنے کی قسم نہ کھائی ہوئی۔“ اسرا نے اسے دانت چبھاتے ہوئے کہا۔

”وہاں مرنا بیٹا تو خدا کے ہاتھ میں ہے لیکن تمہاری موت بہت ہلکا ہوگی۔“ بھول دیوان نے منگھو میں جھٹ لیتے ہوئے کہا۔

انہوں نے دیکھا لیا تھا کہ عامر ان لوگوں کی چاقی برتری قبول کرنے کے لیے جیڑ چکا تھا۔
”یہ وہ اس موقع سے فائدہ اٹھانے کے پتھر میں تھا۔ لیکن اسرا نے بھی یہی کہا تھا کہ اسے کھینچ لیں۔“
”اندر چلو۔“ اس نے انہیں حکم دیا۔ اس کے ہاتھ میں دو رکھیں ان کی گردنوں سے لگ چکی تھیں۔

عمارت اندر سے کافی کشادہ تھی۔ ایک طرف کھڑوں کا اصطلح نظر آ رہا تھا جس میں جنگلی گھوڑے بندھے تھے۔ ان لوگوں نے انہیں لڑیڈ کر رکھا تھا اور اب اپنے منہ کے لیے استعمال کر رہے تھے۔

انہیں عمارت کے اندر موجود ایک کمرے میں جس کے دوروازے میں سلاخیں لگی تھیں، بند کر دیا گیا۔ لوہے کی سلاخوں کا دوروازہ انہوں نے اس جنگل میں کوئی مرتبہ دیکھا تھا۔ کرنے کے سامنے وہ پہرے دار موجود تھے۔ عامر نے انہیں اپنی طرف مخاطب کرنے کی بھڑکی کوشش کی لیکن وہ جس سے مس نہ ہوئے۔ یوں دکھائی پڑتا تھا جیسے وہ گولے کو گتے اور پہرے ہوں۔

آج انہیں یہاں بند ہوئے دوسرا دن ہوئے تو آ یا تھا۔ اس دوران انہیں سلاخوں کے دروازے سے کھانے کو دو وقت روٹی دے دی جاتی تھی۔ اس کمرے کے ایک کونے میں ٹائٹ بنے تھا۔

دوسرے روز بھی وہ یہاں آنے والے پہرے دار کو توجہ کرنے کی کوشش میں لگا تھا لیکن وہ اس کی آواز پر اس طرف متوجہ ہونے کو بھی تیار نہیں تھا۔

”اگرے بھائی تم کیا بہرے ہو؟“ عامر نے زنج ہو کر اسے مخاطب کیا۔

”نہ صرف بہرا بلکہ اندھا بھی۔ یہ تمہاری طرف دیکھنے کا بھی نہیں۔ جو تھو کے جاؤ اس کے ہر دم

یہاں پہنچ کر کہنے لگا۔ "میں نے اس طرف آنے والے راستے سے سٹائی دی تھی۔ عاصم نے کہا کہ میں اس طرف دیکھ کر اتر رہا ہوں۔ وہاں پہنچ کر فرانس کھڑا ہو گا۔ یہاں پہنچ کر کہنے لگا۔

"یہ سب کچھ کہہ کر اس نے اپنے دل سے زخم دھو ڈالا۔ ان دھڑکنے والی سرسوں کو دیکھ کر خوش کرنے کا کام کر رہا تھا۔ "عاصم نے اس کی بات کو غلط فہمی سے سمجھ لیا تھا۔ وہ اس کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ "ہاں! لیکن آج رات یہ تمہارے کلمات سے لطف اندوز ہوں گے۔" یہ جھگڑنے والے کے بدلے ہونے والے کلمات تھے۔ وہ اس کی بات کو غلط فہمی سے سمجھ لیا تھا۔ "یہ سب کچھ کہہ کر اس نے اپنے دل سے زخم دھو ڈالا۔ ان دھڑکنے والی سرسوں کو دیکھ کر خوش کرنے کا کام کر رہا تھا۔

"تم نے ابھی دیکھا ہی کیا ہے۔ آج رات کا قتل و قتل نے زخمی بھر دیکھا ہی نہیں ہو گا۔ میں اس کا آخری حصہ دیکھنے کے لئے تم زخمی نہیں رہو گے۔" ناگھو نے قہقہہ لگایا۔ "کیوں؟ اس کے بعد کیا تم اس کا قتل نہیں کرو گے؟" عاصم نے حیرت سے کہا۔ "تم جیسے زخمی دل آؤں گا گوشت میرے آدم خور ساتھی بڑی رحمت سے کھا لیں گے۔ انہیں نے بہت عرصے بعد کسی مہذب دنیا کے آدمی کو ذبح کر کے کھانا ہے۔" ناگھو بدستور چپک رہا تھا۔ "آج کی رات جتنی کی رات ہے۔ آج ان لوگوں نے اپنے دل کے حضور دو مہذب انسانوں کی قربانی پیش کر لی ہے۔ آج یہ بہت خوش ہیں۔"

"کہنے ساتھ کیا اس کا لہجہ بھی جتنی کروا دے۔" عاصم چپک کر بولا۔ "تم نے تو مرہی تھا اس سے ہمارے بڑے کو اپنے ساتھ خواہو اور وادیا۔" ناگھو اس کے غلو کو بالکل نظر انداز کر گیا۔ وہ بڑا انجھا ہوا کھلاڑی تھا۔ پیش میں آتا تو اس نے یہ بھی نہیں دیکھا۔

"میں نے سوچا تھا کہ مرنے کا سحر اپنی آنکھوں سے دیکھ لوں۔ یوں بھی تمہاری موت کے لئے یہی جگہ بہت مناسب ہے۔ تم جیسے خوفناک لوگوں کو مہذب دنیا میں موت بھی نہیں ملنی چاہیے۔" جرنل دھواں نے تڑکی بڑی جواب دیا۔

عاصم نے اس کی بات کو زور دے کر دہرایا تو ناگھو نے اسے اپنے ہونٹ کاٹ کر دیا۔ اس نے اپنے ہونٹ کاٹ کر دیا۔

یہاں پہنچ کر کہنے لگا۔ "میں نے اس طرف آنے والے راستے سے سٹائی دی تھی۔ عاصم نے کہا کہ میں اس طرف دیکھ کر اتر رہا ہوں۔ وہاں پہنچ کر فرانس کھڑا ہو گا۔ یہاں پہنچ کر کہنے لگا۔

"یہ سب کچھ کہہ کر اس نے اپنے دل سے زخم دھو ڈالا۔ ان دھڑکنے والی سرسوں کو دیکھ کر خوش کرنے کا کام کر رہا تھا۔ "عاصم نے اس کی بات کو غلط فہمی سے سمجھ لیا تھا۔ وہ اس کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ "ہاں! لیکن آج رات یہ تمہارے کلمات سے لطف اندوز ہوں گے۔" یہ جھگڑنے والے کے بدلے ہونے والے کلمات تھے۔ وہ اس کی بات کو غلط فہمی سے سمجھ لیا تھا۔ "یہ سب کچھ کہہ کر اس نے اپنے دل سے زخم دھو ڈالا۔ ان دھڑکنے والی سرسوں کو دیکھ کر خوش کرنے کا کام کر رہا تھا۔

"تم نے ابھی دیکھا ہی کیا ہے۔ آج رات کا قتل و قتل نے زخمی بھر دیکھا ہی نہیں ہو گا۔ میں اس کا آخری حصہ دیکھنے کے لئے تم زخمی نہیں رہو گے۔" ناگھو نے قہقہہ لگایا۔ "کیوں؟ اس کے بعد کیا تم اس کا قتل نہیں کرو گے؟" عاصم نے حیرت سے کہا۔ "تم جیسے زخمی دل آؤں گا گوشت میرے آدم خور ساتھی بڑی رحمت سے کھا لیں گے۔ انہیں نے بہت عرصے بعد کسی مہذب دنیا کے آدمی کو ذبح کر کے کھانا ہے۔" ناگھو بدستور چپک رہا تھا۔ "آج کی رات جتنی کی رات ہے۔ آج ان لوگوں نے اپنے دل کے حضور دو مہذب انسانوں کی قربانی پیش کر لی ہے۔ آج یہ بہت خوش ہیں۔"

"کہنے ساتھ کیا اس کا لہجہ بھی جتنی کروا دے۔" عاصم چپک کر بولا۔ "تم نے تو مرہی تھا اس سے ہمارے بڑے کو اپنے ساتھ خواہو اور وادیا۔" ناگھو اس کے غلو کو بالکل نظر انداز کر گیا۔ وہ بڑا انجھا ہوا کھلاڑی تھا۔ پیش میں آتا تو اس نے یہ بھی نہیں دیکھا۔

"میں نے سوچا تھا کہ مرنے کا سحر اپنی آنکھوں سے دیکھ لوں۔ یوں بھی تمہاری موت کے لئے یہی جگہ بہت مناسب ہے۔ تم جیسے خوفناک لوگوں کو مہذب دنیا میں موت بھی نہیں ملنی چاہیے۔" جرنل دھواں نے تڑکی بڑی جواب دیا۔

عاصم نے اس کی بات کو زور دے کر دہرایا تو ناگھو نے اسے اپنے ہونٹ کاٹ کر دیا۔ اس نے اپنے ہونٹ کاٹ کر دیا۔

"شوہا آ گیا! شوہا آ گیا!" تینوں نے سکون کا سانس لیا۔ تھوڑی دیر بعد ان کی نظر شوہا پر پڑی جو ایک گھوڑے پر سوار تھا۔ اس کے پیچھے جنگی پیدل چلے آ رہے تھے۔ ان لوگوں نے درجوں پر انہیں دیکھ کر کے

روان کی آواز
دلہان کے ساتھ ہاتھ رکھتے تھے اور انہیں دھانے پلے آ رہے تھے۔ شوہا اپنے کھولنے سے ڈر کر
چلے آگئے۔ اب وہ ان کے ذرا یک جہتی چلائی۔ اس نے بڑے مہذب انداز میں جھک کر ان کو گھبراہٹ سے
کہا۔

پوری اس زمانہ ان کی زبان میں شوہا سے باتیں کرتا ہوا ہاتھ اور شوہا ان کی طرف ہاتھ
گرداگرد سے ہوا ہاتھ اس کے چہرے سے خوشی جھلک رہی تھی۔ پاؤں نے پھر علی کو گھبراہٹ سے کہہ
کہ اس نے شوہا کو ساری سیم بھلا دی ہے۔ وہ تو فوراً کچھ پر حملہ کرنا چاہتا ہے لیکن میں نے کہا ہے کہ
میرے دل میں شوہا کے لئے خصوصی جذبات ہیں۔ مگر وہ کم و بیش کہہ دیا تو وہ ایک خصوصی ٹیکہ میں سے
بدلتی نظر آئی۔ یہ وہ وقت تھی جس پر ان لوگوں نے پر تاب غم میں جھپٹ کر لیا تھا۔ ڈاکٹر داگلی کی تیار کردہ
ایک چاندنی بدھ میں خصوصی طور پر انہوں نے اسی مقصد کے لئے سنبھال رکھی تھیں اور ہوائی جہاز کے ذریعہ
ملا کر پہنچائی گئی تھیں۔ اب ایک ٹیکہ میں یہ لوگ ایسی چند بدھوں میں اپنے ساتھ لے آئے تھے۔ وہ
نیکون علی نے شوہا کو ان کی توجہ پھریں سے آگاہ کیا تو وہ خوشی سے ٹپٹپٹ لگا۔

اس نے اپنی ایک بدھ کو بولتے ہوئے خاص طور سے ہدایت کی تھی کہ ضرورت کے
بغیر ہرگز ہرگز اس سے فائدہ نہ کرے کیونکہ انہیں اس کی قدم قدم پر ضرورت پیش آئے گی۔
اس رات وہ کچھ کی نیند سو رہے۔ اگلے روز علی صبح شیر کو اپنے ہمراہ لے کر وہیں پہنچیں
جہاں چھپائی گئی تھی۔ شوہا نے اپنا گھوڑا بھی ان کے ساتھ کر دیا تھا۔

☆☆☆

"میں ذرا مرنے سے پہلے وہاں شکرانے کے ادا کر لوں۔" عامر نے اپنے نزدیک
جھکے بیٹے جزل زبیدان کو طلب کیا۔

"وہ کیوں؟" انہوں نے پوچھتے ہوئے پوچھا۔ وہ کسی گہری سوچ میں مبتلا تھے۔

"اس لوگ سے جان تو بچنے کی۔ آج بادشاہ ہیں، کل فقیر۔ آج کسی کے قیدی ہیں، کل کسی کو
قید کر رہے ہیں۔ اس سے تو بچنا ہی نہیں کدو بچا رہا تھا۔" عامر بولا۔

"یہ کدو کیا ہو گا؟" جزل نے پوچھا۔

"میں جانتا ہوں اس کے حلقے مجھے بھی آپ جتنا ہی علم ہے۔ ویسے ہونے کو تو کرنا بھی ہوتا
ہے۔ ہم نے حکمران کی جگہ سے اس کے علاوہ۔"

"کیا کہہ رہے ہو پادشہ کے بیٹے کو کچھ نہیں پڑا۔" جزل زبیدان نے اسے ٹوکتے ہوئے
کہا۔

"میں میرے بیٹے کو کچھ پوچھتا ہوں۔" عامر نے کہا۔
"ہیسا؟"

"یہ۔" کہتے ہوئے عامر نے ایک جنگلی کٹر اٹھایا۔ کٹر اٹھانے سے بھڑک کر کچھ کچھ
جزل زبیدان نے زوردار قبضہ لگا کر اسے دھونکی۔

پھر احوال بچنے کی آواز میں بلند ہونے لگی تھیں۔ دونوں باقی طور پر ٹوکنا نے مالے مالے
سے مطالعہ کرنے کے لئے تیار کر رہے تھے۔ پھر انہوں نے مسلح ہاتھوں کو اپنے کمر کے طرف اشارے
دیکھا۔

"اب بڑی جلدی آئے ہو۔" عامر سے جھانپنے پر تو دیکھتے ہی نہیں تھے لیکن ہی بات تو یہ پہلے
چاہتے۔ ہم بھی تالیماں چاہتے کہ تمہیں جالیتے۔ کل سے کہہ رہے ہیں ادا کو کھولنے کے لئے۔" عامر
نے چراتے کے انداز میں کہا۔

"ایک محافظ نے ان کے کمرے کا تالا کھول دیا تھا۔ باقی اہل گھر آئے اور انہیں دیکھ
دے گئے۔"

"کیا کر رہے ہو میاں صاحبزادے؟" اگلے کے دشمن کو۔ شرفاء سے اس طرح پیش نہیں
آتے۔" عامر نے اس کے سامنے ہاتھ بچاتے ہوئے کہا۔

"میدھی طرح چلتے ہو ورنہ۔۔۔" عامر نے دیکھا سامنے سے اوسا ہوا رہا تھا۔

"اوہ ہوا ہلا خراس نے تمہیں مرنے کے لئے بھیجی ہی دیا کالے گدھے۔" عامر نے اسے
چلایا۔

"میرا خیال ہے تم اپنی زندگی مقررہ وقت سے بھی چند گھنٹے پہلے ختم کرنا چاہتے ہو۔" اوسا ہوا
لو اس کے اشارے پر مسلح محافظ انہیں دھکے دیتے ہوئے باہر لے آئے۔

عوارت کے باہر جنگل کے لوگ زور زور سے دھمکے دیتے رہے تھے۔ کچھ ان میں سے
دھڑاندا انداز میں رقص کر رہے تھے۔ ان کی شکل پر نظر پڑے ہی ان کے قفس میں اور زار و شدت پیدا ہو
گئی۔

"کیا کریں گے اب یہ ہمارا؟" جزل زبیدان نے عامر کی طرف دیکھا۔

"اچار ڈالیں گے۔ یہ انسانوں کا اچار بھی بڑی رغبت سے کھاتے ہیں بلکہ کئی آدم خوروں کا تو
ہو کہ کھانا کھا جائے۔" عامر بولا تو جزل زبیدان بے ساختہ قفس دیکھے۔ وہ حیران تھے کہ عامر اس حالت
ہاگ لہان سے باز نہیں آ رہا۔

دوہڑی جوت
ہاتھوں کے چاروں طرف جنگلی ہاتھوں میں بکڑے بکڑے اور سڑا ہونے لگے۔
کھڑاں گاڑیوں کو بکڑے بکڑے ہاتھوں کو بکڑے بکڑے ہاتھوں کے چاروں طرف لے جا رہے تھے۔

ان کے ساتھ دھول سے باندھا ہوا تھا۔
"یہ کڑے ہیں یا آفریڈر میں رہا ہی ہے تو سیدھے طریقے سے مار ڈالیں۔" جرنل
دھول سے باندھا ہوا تھا۔
"جنرل صاحب! ابھی تو یہ سڑا ہوا ہے۔" داریا بگے اور ادا سے۔ "عامر نے کہا
جرنل بے ساختہ مسکرایا۔
"تم کسی مٹی کے بٹے ہو یا ہار؟" انہوں نے خمین آئینہ نظروں سے عامر کی طرف دیکھ

نے پوچھا۔
"جی ہاں۔" جب کہ میرے پاس کا خیال ہے کہ میں پختی مٹی سے بنا ہوں۔ وہ تو مجھے
جانتے ہی تھے۔ پھر کھڑا ہی کیسے ہیں۔" عامر نے ہار جاتا تھا۔
"تم واقعی بکڑے بکڑے ہو۔" عامر نے ہار دیکھ کر تم پر سے پھل کر مڑ رہا تھا۔ "جنرل
صاحب نے کہا۔

وہ نہیں صاحب! کسی بھی کیلیاں ہے۔" عامر نے شرمانے کی اداکاری کی۔
ان کے گرد اب آگ کے لہاؤں کے چارے تھے۔ لومہا جو ابھی تک عمارت کے اندر ہی
تھوڑی سی دور تھا اس نے ایک لہا سا پتہ پا کر دیکھا اور ایک ہاتھ میں انسانی ہڈی اور دوسرے میں

تھوڑی سی ہڈی۔
"پھر آئی میں اپنے عقیم دیوتا ناگو کے حضور قربانی پیش کرتی ہے۔" عقیم ناگو ہم سے
زیرانی مانگ رہا ہے۔ آؤ اور عقیم دیوتا کی حج کا جشن مناؤ۔" لومہا نے چیخ کر کہا تو وہ لوگ زور زور سے
لاتے ہوئے اس کے گھڑاؤں کی صف میں درقص کرنے لگے۔

اس کے ساتھ 9 لاکھ بیکروں کی گڑگڑاہٹ ہوئی اور ان کا رقص ختم کیا۔ بالکل اسی انداز
میں جیسے وہ ادا کرتے تھے۔ میدان کے ایک کونے سے ناگو کی کرسی برآمد ہوئی۔ ان کم بختوں نے
اس کی بے بندوبست کر رکھا تھا۔ چائے وہ کہاں کہاں سے اس کرسی کو برآمد کر لیتے تھے۔ اس کے
ساتھ ہی وہ دھڑکیں لگتی لگتی جگمگ کر مڑے ہوئے۔

"پھر آئی میں اپنے عقیم دیوتا ناگو کے حضور قربانی پیش کرتی ہے۔" عقیم ناگو ہم سے
زیرانی مانگ رہا ہے۔ آؤ اور عقیم دیوتا کی حج کا جشن مناؤ۔" لومہا نے چیخ کر کہا تو وہ لوگ زور زور سے
لاتے ہوئے اس کے گھڑاؤں کی صف میں درقص کرنے لگے۔

دوہڑی جوت
ہاتھوں کے چاروں طرف جنگلی ہاتھوں میں بکڑے بکڑے اور سڑا ہونے لگے۔
کھڑاں گاڑیوں کو بکڑے بکڑے ہاتھوں کو بکڑے بکڑے ہاتھوں کے چاروں طرف لے جا رہے تھے۔

ان کے ساتھ دھول سے باندھا ہوا تھا۔
"یہ کڑے ہیں یا آفریڈر میں رہا ہی ہے تو سیدھے طریقے سے مار ڈالیں۔" جرنل
دھول سے باندھا ہوا تھا۔
"جنرل صاحب! ابھی تو یہ سڑا ہوا ہے۔" داریا بگے اور ادا سے۔ "عامر نے کہا
جرنل بے ساختہ مسکرایا۔
"تم کسی مٹی کے بٹے ہو یا ہار؟" انہوں نے خمین آئینہ نظروں سے عامر کی طرف دیکھ

نے پوچھا۔
"جی ہاں۔" جب کہ میرے پاس کا خیال ہے کہ میں پختی مٹی سے بنا ہوں۔ وہ تو مجھے
جانتے ہی تھے۔ پھر کھڑا ہی کیسے ہیں۔" عامر نے ہار جاتا تھا۔
"تم واقعی بکڑے بکڑے ہو۔" عامر نے ہار دیکھ کر تم پر سے پھل کر مڑ رہا تھا۔ "جنرل
صاحب نے کہا۔

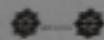
وہ نہیں صاحب! کسی بھی کیلیاں ہے۔" عامر نے شرمانے کی اداکاری کی۔
ان کے گرد اب آگ کے لہاؤں کے چارے تھے۔ لومہا جو ابھی تک عمارت کے اندر ہی
تھوڑی سی دور تھا اس نے ایک لہا سا پتہ پا کر دیکھا اور ایک ہاتھ میں انسانی ہڈی اور دوسرے میں

تھوڑی سی ہڈی۔
"پھر آئی میں اپنے عقیم دیوتا ناگو کے حضور قربانی پیش کرتی ہے۔" عقیم ناگو ہم سے
زیرانی مانگ رہا ہے۔ آؤ اور عقیم دیوتا کی حج کا جشن مناؤ۔" لومہا نے چیخ کر کہا تو وہ لوگ زور زور سے
لاتے ہوئے اس کے گھڑاؤں کی صف میں درقص کرنے لگے۔

اس کے ساتھ 9 لاکھ بیکروں کی گڑگڑاہٹ ہوئی اور ان کا رقص ختم کیا۔ بالکل اسی انداز
میں جیسے وہ ادا کرتے تھے۔ میدان کے ایک کونے سے ناگو کی کرسی برآمد ہوئی۔ ان کم بختوں نے
اس کی بے بندوبست کر رکھا تھا۔ چائے وہ کہاں کہاں سے اس کرسی کو برآمد کر لیتے تھے۔ اس کے
ساتھ ہی وہ دھڑکیں لگتی لگتی جگمگ کر مڑے ہوئے۔

"پھر آئی میں اپنے عقیم دیوتا ناگو کے حضور قربانی پیش کرتی ہے۔" عقیم ناگو ہم سے
زیرانی مانگ رہا ہے۔ آؤ اور عقیم دیوتا کی حج کا جشن مناؤ۔" لومہا نے چیخ کر کہا تو وہ لوگ زور زور سے
لاتے ہوئے اس کے گھڑاؤں کی صف میں درقص کرنے لگے۔

اور قہقہہ لگا کر فُس دیا لیکن آ نے والے غداشات کا احساس نہیں ہوئی شدت سے سوز ہوا تھا۔



☆☆☆

سازش

تقارب بیچان کی آنکھ کی طرح لہری ہوتا جا رہا تھا۔ عامر دل ہی دل میں اسے کوئی دھوکا دے گا۔ جس نے اب تک اسے آٹھ دن مسلسل کی سیل پر کر دیا تھا۔ کبھی وہ کسی کریمانہ کی دکان میں گھس کر آنے والی گاڑیوں پر پلٹ کر گئے لگتا۔ کبھی کسی میڈیکل سنٹر پر کھڑے ہو کر ادویات کا رد و شروع کر دیتا۔ کبھی کسی ایکسپلورر پر گرا کر انبارت کی سرخیاں پڑھنے لگتا۔

عامر کو تو بھی تک یہ بھی سمجھ نہیں آتی تھی کہ پچھلے تین روز سے آخر وہ اس کا مسلسل تقارب کیوں کر رہا ہے۔ کبھی ٹیلی فون سے خفیہ بات کی تھی کہ اس شخص کو اپنی نظروں سے اوجھل نہ ہونے دے اور اس کی پلٹ پلٹ کی خبر رکھے۔ جب وہ کسی سینگ ہار میں داخل ہوتا تو عامر باہر دروازے پر اس کا انتظار کرتے لگتا۔

آج ٹیچر بھی اس جم میں شامل ہو گیا تھا۔ اس وقت بھی وہ شخص ایک سینگ ہار میں مسما شروبات سے لطف اندوز ہو رہا تھا اور عامر دروازے کے سامنے کھڑا اپنی قسمت کو کوٹ رہا تھا۔ اس سے کچھ دیر پہلے پولیس کے طالب علموں کا ایک نظام پہنچنے بھی موجود تھا۔

”دونوں بھائی ایک دوسرے سے لافعلی رہا کرتے تھے۔ عامر اس سینگ ہار کے بائیں سامنے ایک مزگ کے کنارے ایک بک سٹال پر کھڑا ایک دس سالے کے درویش گردانی کر رہا تھا۔

”نہ جانے اس کو جسے میں کیا ٹوٹی ہے جو ہم دونوں اس کے پیچھے جھک رہے ہیں۔“

اب دھڑکتے ہوئے ہاتھ کی شہرہ کی جانب مہم گیا تھا اور ایک بک سٹال پر کھڑا ہو کر وہ

پہلی کتاب سے پہلے چار سو چوبیس دوسرے ایک ملاؤں کی چاندی تھا۔ عامر تھا کہ کون سے اس کے سامنے لکھ رہی رہا تھا۔ پہلے اس کی حسی کر دینی کر رہا تھا اس کی اس طرف سے ہوا مہیا۔ لکھا تھا کہ پہلے پر کھڑا لکھ گیا تھا۔ کبھی کبھی وہ عامر کو چارے کی گلیوں کی طرف لے کر نکلتا رہا۔

”اس کا مطلب ہے مسٹر؟“ ہوش تو ٹھکانے میں آپ کے۔“

اس کے ساتھ کھڑے ایک ہوا پیر فرما پڑے جس کی طرح کبھی کسی ایک ہوسٹے پیشوں کی جھگڑا تھی کہ اس نے اتفاق سے عامر کی بی بی باہت میں تھی۔

”کیا فرمایا آپ نے؟“ عامر نے اس کی طرف جھٹکے ہوئے کہا۔

”ابھی آپ نے کہا تھا؟“ ہاؤس نے فیسے سے جھگڑے پیشوں میں اسے مگرتے ہوئے

کہا۔ ”مگر کاشیں کا؟“ عامر نے جواب دیا۔

”میں سمجھتا ہوں؟“ ہاؤس نے لکھا پھاڑتے ہوئے کہا۔

”مگر مہم کو۔“ عامر کی سنجیدگی پر قرار تھی۔

”اے مسٹر! تم ہوش میں ہو یا نہیں؟“ ہاؤس نے لکھا جانے کے بعد میں سے مگرتے ہوئے پوچھا۔

”میں جانتی ہوں جو اس ہاؤس میں ہے میاں؟“ عامر نے اسے پوچھا۔

وہ صبح سے اب تک کی مسلسل بھاگ دوڑ سے تھک آ گیا تھا اور اب مشکل سے یہ بکھوٹا ہوا

بہانے کو اس کے ہاتھ لگا تھا۔

”تم پاگل تو نہیں ہو؟“ ہاؤس نے اتنی زور سے کہا کہ اسے مائی آگئی۔

”آپ کا تعلق کیا؟“ عامر نے فخر و اصرار سے چھوڑ دیا کیونکہ ہاؤس نے اسے اپنے ہاتھ میں

بکڑی چھری تھما دی تھی۔ یہ الگ بات تھی کہ عامر کے بجائے اس کے پیچھے کھڑے ایک اور شخص کے

کندے میں لگی جو اپنے کندے پر ہاتھ رکھے ان دونوں کو کھانا جانے والی نظروں سے گھور رہا تھا۔ اور

عامر اپنی جگہ کھڑا بدستور مسکرا رہا تھا۔

اس کے بعد تو جیسے ہاؤس پر پاگل پن کا دورہ پڑ گیا ہو۔ وہ چھری تھماتا ہوا عامر کی طرف

لپکا۔ عامر آگے آگے تھا اور ہاؤس اس کے پیچھے پیچھے۔ وہاں موجود باقی تمام لوگ دونوں کی بھاگ دوڑ

سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ ہلا خروبوڑا دوڑتا دوڑتا تھک کر پہنچے لگا ہوا وہاں پہنچ گیا۔

عالم نے جب ایک سال کی طرف نظر ڈالی تو زمین اس کو اپنے قدموں کے سر کی طرف
ہوئی، کیونکہ وہ اسی عالم سے غائب تھا جس کیلئے وہ پہلے تین روز سے خاک چھان رہا تھا۔ جب اس
نے اپنی طرف دیکھا تو اس کی طرف سے ایک جھلک نظر آئی جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ اس کی طرف
سے اب بھی چل رہا ہے۔

عالم نے اپنی دل میں خدا کا شکر ادا کیا۔ اب اسے پوچھ کر دیکھیں کہ وہ تین علاقوں میں
بستے ہے تو کون سے جگہوں میں ہے تو کہا تھا۔ تمام لوگ اس سے بحث کر رہے تھے اور وہ بار بار اپنی
سب سے پہلی کہہ رہا تھا کہ وہ گورگوٹھ جی ہوئی تھی۔ لیکن پوچھ کر اسے جانتی خاصے پر حوش دکھائی دے
رہے تھے۔

ایک نوجوان نے آگے بڑھ کر اس کا تریبان پکڑ لیا۔ اس کے دیکھا دیکھی دوسروں کی
انہایت بھی بڑی اور وہ ان کی طرف بڑھے۔ یہ الگ بات تھی کہ جس کو ایک ہاتھ عالم کا لگ
پاتا تھا اس کی طرف بھی لڑنے کی جرأت نہ کرتا۔

ایک ایک ہی عالم کے ذہن نے سچ کر کہا۔ "سازش! سازش!"

اس نے برقی رفتار کی کامیابی دیکھ کر ہرگز نہ ہونے وہاں سے نکل جاتا تھا۔ ابھی عالم بھٹک چکا
تو قدم ہی بڑھا چکا کہ "ٹائیٹ" کی آواز پیدا کرتی ایک گولی اس کے کان کے نزدیک سے گزر گئی اس
نے اندازہ لگایا کہ پڑسا ستر گندہ پانچ سو سے اور کئی نزدیک ہی سے کیا گیا ہے۔ لیکن ابھی وہ اس
پوزیشن میں نہیں تھا کہ حملہ آور کو کھانسا کر ملکا۔ اسے بڑے الجھم میں جانے کس نے گولی چلائی تھی اس
نے فی الحقیقت اپنی جان بچانے میں ماییت لگی۔

عالم کا رخ اب بازار کے نزدیک کار پارک کی طرف تھا۔ کار پارک تک وہ مختلف دکانوں کی
آڑ میں چھپا ہوا تھا۔ کار پارک میں پہنچنے ہی اس کے نزدیک دو گولیاں مختلف کاروں سے نکرائیں۔ عالم
نے جان بوجھ کر گھر کا رخ کیا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس پر چلائی گولی کسی بے گناہ کی جان لے لے۔
عالم بڑی بھرتی کا مظاہرہ کرتا تھا اور اتفاق کاروں کی آڑ میں کبھی آگے پیچھے، کبھی دائیں بائیں کبھی
بائیں طرف بھاگنے دے کر پلا خرواہاں سے نکلنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اس کا رخ اب ایک دوسری
مارکیٹ کی طرف تھا۔ جہاں ایک پبلک کال آفس سے اس نے کمپنیشن ملی کو فون کر کے چارہ صورتحال کی
اطلاع دی۔

کمپنیشن ملی کہا کہ عالم سازش کا کارروا ہے۔ اس نے چند لمبے سوچنے کے بعد کہا۔

"ملک ہے انگریز آنے کی ضرورت نہیں۔ لہذا نہ فہرستات پر پہنچ جائے۔ میں بھی وہیں آ رہا

اس کے ساتھ ہی سلسلہ قطع ہو گیا۔ عالم کا نہ فہرستات کی طرف جانا۔

☆☆☆

اس مجلس نے اپنی داستان میں بڑی بھرتی دکھائی تھی اور عالم کو پوچھ کر اس کے ساتھ انجمن بیکار
وہیں سے تنگ کیا۔ یہ الگ بات تھی کہ شیخ نے اسے گھر سے نکال دیا تھا۔ وہ اسے اپنے قدموں
سے اٹھادی کے ساتھ اس جگہ میں اس کا تعاقب کر رہا تھا۔

وہوں اب ساتویں شاہراہ پر آ گئے تھے۔ اس شاہراہ پر ایک بڑی لڈلک کے ساتھ دوک
تھا۔ اب وہ لڈلک کی خبر چیاں چلے گئے تھا۔ یہاں سینکڑوں لوگوں کا آنا جانا تھا۔ جہاں اس نے شیخ
تھا۔ اب وہ بھی تھا کہ وہ کسی کی نظروں میں نہیں آئے گا۔

لڈلک وہ بھی تھا کہ وہ کسی کی نظروں میں نہیں آئے گا۔ اب وہ بھی تھا کہ وہ کسی کی نظروں میں نہیں آئے گا۔
ایک منزل چل کر وہ مجلس لڈلک کے ساتھ رک گیا۔ جیسے ہی ایک لڈلک کی دو دھڑکی سے
اس میں داخل ہو گیا۔ نیچے بیڑیوں کے کونے پر کھڑا تھا۔ اس نے پانچا بھرتی سے دوسری لڈلک میں داخل
ہو جانے پر منزل پر آ رہی تھی۔ جیسے ہی اس کے قدم لڈلک کی طرف پڑے، لڈلک کا دروازہ کھلا اور اس
نے دیکھا، اس لڈلک میں صرف آج پر موجود تھا جس کے ہاتھ میں بچوں کے کھیلنے والے کھلونے سے
مشابہت رکھتا ایک ہسٹول پکڑا ہوا تھا جس کے منہ پر تھکا سائیر تھا اور اس کا رخ شیخ کی طرف تھا۔

"سازش! سازش!" نیچو کاؤ کھن چلا یا۔

اس نے اپنے قدموں خود کو بیڑیوں پر گرا دیا۔ اب وہ کسی فٹ پال کی طرح بیڑیوں پر
زحمتا نیچے آ رہا تھا۔ لڈلک اوپر وہاں چلی گئی تھی۔ یہ سب کچھ شخص چند سیکنڈ میں انجام پا گیا۔
بیڑیوں کے خاتمے پر نیچو رک گیا۔ اس کو گرنے سے خاصی چوٹ آئی تھی لیکن جان کے بچ
جانے کے مقابلے میں یہ تکلیف کوئی اہمیت نہیں رکھتی تھی۔ وہ اٹھ کر بھرتی سے کھڑا ہو گیا۔

"کیا ہوا؟"

"کیا بات ہے؟"

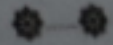
"کیسے گر پڑے؟"

اس کے گرد لوگوں کا الجھم اکٹھا ہو گیا۔ لیکن شیخ بظاہر مسکرا رہا تھا۔ اس کی طرف دیکھا کہ
"کچھ نہیں۔ ذرا میرا پاؤں پھسل گیا تھا۔" کہہ کر وہ لڈلک سے اٹھا اور ایک طرف چل دیا۔
تھوڑی دیر بعد ہی وہ ایک رکش پر بیٹھ کر ایک خفیہ لڈلک کی طرف جا رہا تھا۔

☆☆☆

کونسی ہوتی تھی۔ وہ بڑا حیا جان بودہ کرتی تھی۔ تم دونوں ایک گہری ساری کا فہم
ہوئے جو اور وہ اکاثر ہے کہ تمہاری جان کا کئی۔ فی الحال تمہیں یہیں قیام کرنا پڑے گا۔ میں تمہیں
کس سڑائی کی کڑیاں آ کر کھان کھان ملی ہوئی ہیں۔" نکیتن علی نے تجبیدی سے کہا۔
"میں ساری بھاگ ۱۵ میں آپ نے ایک سبکی کام کی بات کی ہے۔ چلو اب مجھ کو رات
کرنے کا موقع دے گا۔" مامرنے خود کو ایک آرام دہ صوفے پر ڈھیر کرتے ہوئے کہا۔
"آرام کا تو ہم یہاں سے نکال دو۔" نکیتن علی کی تجبیدی پر رقرارقی۔
"آپ تو پیش ہی کیجئے ہیں۔" مامریو۔
"نہیں مامرناس مرتبہ مقابلہ ناگم سے آن پڑا ہے۔"
"کی مطلب؟" مامرنے چونکے ہوئے پوچھا۔
"کو تو یہی ذات شریف ہیں۔" نیچو پولا۔
"جی ہاں اور جس کا آپ دونوں خاقب کر رہے تھے اسے جانتے ہو؟"
"نہیں؟"

اور اسے شہر کا بہت بڑا مسگر مل رہا تھا جس کی تصویر دیکھتے ہی ولیم نے اس پر شک کا اظہار کیا
قداس کا کہنا ہے کہ یہ نفس اکڑ کر کسی میں مارش سے ملنے آیا کرتا تھا۔
"اچھا اب تم صاحب اس مرتبہ تو آپ ناگوں پر چل کر واپس جانے سے رہے۔" مامریو۔
"اکڑ جانا کا تھا۔ نکیتن علی نے انہیں آنے والے حالات کے متعلق کچھ سمجھایا۔ پھر وہیں
بہنے کی تھیں کہ وہاں آ گیا۔ راستے میں اس کے ذہن میں بہت سی باتیں گزرتی تھیں۔



وارنٹ گرفتاری

موقعہ واردات پر پولیس کے ساتھ ہی ایس ایچ بی بھی آوا تھا۔ بڑے پوئلکھ میں
نے نزدیک ہی بٹھا رکھا تھا۔ جو اسے ساری واردات کی تفصیلات سے آگاہ کر رہا تھا۔ اس کے علاوہ وہاں
موجود چاقی تمام لوگوں نے بھی اس نوجوان کو اس قتل کا اعداد و ارقام بتا دیے تھے۔
بھاری سے کچھ فاصلے پر اس راہ گیر کی لاش پڑی تھی جس کی کپڑی میں کوئی گولی تھی اور وہ تو کسی
سے سامنے تڑپ تڑپ کر مر گیا تھا۔ بے چارہ مرنے سے پہلے کوئی بھی ایسا بیان نہ دے سکا جس سے
پولیس کو کچھ رہنمائی مل جاتی۔ پولیس کا فونو گراف لاش کی تصویریں لے رہا تھا۔ پھر باہر گئے تھے
کانات حاصل کئے اور لاش پوسٹ مارٹم کے لیے روانہ کر دی گئی۔

یہ واردات بڑی افسوس ناک تھی لیکن بھاری کی خوشی کا کوئی امکان نہ رہا۔ باہب اس بارے میں
جس نے اپنے نام شمس بتایا تھا، اسے یہ خبر دی کہ وہ مفرد نوجوان کو چاہتا ہے اور اس کے گھر کی نشانی دی
بھی کر سکتا ہے۔

"آپ اسے کیسے جانتے ہیں؟" بھاری نے پوچھا۔
"جناب کچھ نہ پوچھئے! کیسا برا زمانہ آ گیا ہے! میں ایک شریف اور معزز شہری ہوں، ایک
نوجوان بیٹی کا باپ بھی ہوں۔ وہ بد قسمتی سے ایک دفتر میں کام کرتی ہے۔ آپ ہی دیکھئے کیا کسی نوجوان
بیٹی کا باپ ہونا گناہ ہے۔"

"بالکل نہیں؟" بھاری نے چائے کی چٹکی لیتے ہوئے کہا۔
وہ بڑھڑھ کے ساتھ ہی نزدیک ہی واقع اس کی کوٹھی تک آ گیا تھا کہ اس کا تفصیلی بیان

تکے۔ ہوتے تھے۔ اور ہوتی تھیں اس کی خوش آواز کر لی۔
اسے یہ بات سن کر بھی ہنسی نہ آئی۔ وہ ایک تو کڑی کرنے والی تھی کہ اس کا باپ ہوتا بہت بڑا مگر وہ بہت
میں نے بہت کی بیٹے اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔
"جہاں آپ کو کیا چاہیے ہیں؟" بخاری نے اس کی غصیت سے مرعوب ہوتے ہوئے
کہا۔
"میری بیٹی آپ کو خود بخاری سے لے گی جو کچھ تھیں روز سے گھر میں پڑی رو رہی ہے اس
فلانے نے میری بیٹی کا بھائی بھرا کر دیا ہے۔ جہاں والا اگر قانون نے ہماری مدد کی تو ہم دونوں باپ
اور بیٹی خود بخاری کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔"
اس کے ساتھ ہی اس نے اپنی بیٹی کو آوازیں دینا شروع کر دیں۔
"سارو۔ سارو۔"

تو بخاری نے وہ ایک نوجوان لڑکی ان کے سامنے موجود تھی۔ ایسی بیٹی بخاری نے اعزاز کا
پتہ کر مسلل روانے سے اس کی آنکھیں سوچ چکی تھیں۔ اس نے بخاری کی شکل پر نظر پڑتے ہی ہر
روز شروع کر دیا۔
"گھر آؤ نہیں بیٹی ایہ ہمارے دوست ہیں۔ انہیں سب کچھ بتا دو۔ شاباش۔ شاباش۔"
بوڑھے شمس نے اپنی بیٹی کو تلی دیتے ہوئے کہا۔ لیکن اس کا رونا دھونا تو بند ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا
تھا۔
بھل بخاری اور شمس نے اسے چپ کر دیا۔

"اگلے اچھے ڈانگہ ہے۔ وہ کوئی سرکاری افسر ہے۔ اگر میں نے اس کے خلاف رپورٹ
دراں کر لی تو وہ ہمارے لیے اور مشکلات پیدا کر دے گا۔"
"گھر آؤ نہیں بیٹی اور کوئی بھی ہو۔ قانون کی گرفت سے نہیں بچ سکتا۔" بخاری نے اسے تلی
دی۔

لڑکی نے اسے بتایا کہ یہ نوجوان لڑکی روز سے اس کا پیچھا کر رہا ہے۔ اور اس کو آتے جاتے
پریشان کرتا ہے۔ اب اس نے دھکی دی ہے کہ اگر میں نے اس کی بات نہ مانی تو وہ مجھے اغوا کر دے گا
اور میرے بوڑھے باپ کو بھی مجھے انعام میں قتل کی پیر کر دے گا۔ میں نے تو اس کے ہاتھوں پریشان
کر رکھی ہے مگر اس کی انتہائی دبا ہے۔"

لیکن آپ نے پولیس میں رپورٹ کیا نہیں اور بھی روک لی؟" بخاری نے اس سے کہا۔
"جہاں آپ کو کیا چاہیے ہیں؟" بخاری نے اس کی غصیت سے مرعوب ہوتے ہوئے
کہا۔
"میری بیٹی آپ کو خود بخاری سے لے گی جو کچھ تھیں روز سے گھر میں پڑی رو رہی ہے اس
فلانے نے میری بیٹی کا بھائی بھرا کر دیا ہے۔ جہاں والا اگر قانون نے ہماری مدد کی تو ہم دونوں باپ
اور بیٹی خود بخاری کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔"
اس کے ساتھ ہی اس نے اپنی بیٹی کو آوازیں دینا شروع کر دیں۔
"سارو۔ سارو۔"

تو بخاری نے وہ ایک نوجوان لڑکی ان کے سامنے موجود تھی۔ ایسی بیٹی بخاری نے اعزاز کا
پتہ کر مسلل روانے سے اس کی آنکھیں سوچ چکی تھیں۔ اس نے بخاری کی شکل پر نظر پڑتے ہی ہر
روز شروع کر دیا۔
"گھر آؤ نہیں بیٹی ایہ ہمارے دوست ہیں۔ انہیں سب کچھ بتا دو۔ شاباش۔ شاباش۔"
بوڑھے شمس نے اپنی بیٹی کو تلی دیتے ہوئے کہا۔ لیکن اس کا رونا دھونا تو بند ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا
تھا۔
بھل بخاری اور شمس نے اسے چپ کر دیا۔

"اگلے اچھے ڈانگہ ہے۔ وہ کوئی سرکاری افسر ہے۔ اگر میں نے اس کے خلاف رپورٹ
دراں کر لی تو وہ ہمارے لیے اور مشکلات پیدا کر دے گا۔"
"گھر آؤ نہیں بیٹی اور کوئی بھی ہو۔ قانون کی گرفت سے نہیں بچ سکتا۔" بخاری نے اسے تلی
دی۔

لڑکی نے اسے بتایا کہ یہ نوجوان لڑکی روز سے اس کا پیچھا کر رہا ہے۔ اور اس کو آتے جاتے
پریشان کرتا ہے۔ اب اس نے دھکی دی ہے کہ اگر میں نے اس کی بات نہ مانی تو وہ مجھے اغوا کر دے گا
اور میرے بوڑھے باپ کو بھی مجھے انعام میں قتل کی پیر کر دے گا۔ میں نے تو اس کے ہاتھوں پریشان
کر رکھی ہے مگر اس کی انتہائی دبا ہے۔"

☆☆☆☆

کیپٹن علی ابھی بمشکل گھر میں داخل ہی ہوا تھا جب اسے اپنے گھر کے دروازے پر دھک
مٹکی کرنے اور چوکیدار کی اونچی آواز سنائی دی۔ وہ جانکا کسی کو اندر آنے سے منع کر رہا تھا۔ علی فوراً

میرا سے شہنشاہ کی نظر میں بنی بخاری اور پولیس کے کچھ سپاہیوں پر چڑی چڑی رزاقی اور مارا مارا کرنا کرنا اور اہل ہو گئے تھے۔
کیلیات ہے؟ کیا ہوگا۔ چار نکاح ہے آپ لوگوں نے؟ اس نے برآہ سے شش کھڑا ہوا

کرکہ۔ "ہم سے کاظم پولیس انٹیشن جا کر ہوگا۔ فی الحال مجھے اس گھر کی حفاظت کرنی ہے۔ بخاری نے آگے بڑھ کرکہا۔

"بخاری صاحب آپ ہوش میں ہیں۔" علی نے درستی سے کہا۔
"نیر سے بات کرو۔ جہاں سے خلاف عمل ثبوت ہو کر گواہ میرے ساتھ موجود ہے۔ میں قہقہے چاچتی شہزادی ہوں وہ اسے قتل کے الزام میں گرفتار کرنا ہوں" بخاری نے اٹھا کر کہا چنانچہ پولیس ہوسٹس لال لال۔

"مطلبات تو یہ ہے کہ آپ کو میرے گھر میں بغیر اجازت داخل ہونے کی جرأت کیسے ہوئی۔ اب اس شخص کو پھانسی دینے کے لیے قتل کرتے دیکھا ہے۔" علی نے اپنے دماغ ٹھنڈا کرکہا۔
"اجازت کی گرت کرو۔ قانون کے محافل کو قاتلوں کو گرفتار کرنے کیلئے اجازت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ دہی گواہی بات تو وہ بھی موجود ہے۔"

اتنا کہ بخاری نے ایک سپاہی کو حکم دیا کہ شہنشاہ کو اندر لے آئے۔
شہنشاہ جیسے ہی اندر داخل ہوا بخاری بول پڑا۔
"بھئی یہ وہ شخص کیا؟"

"نہیں جناب اس نے کہا۔
"کون ہے یہ گروہ؟" بخاری کا پارہ چڑھ گیا۔
جواب میں بڑھے نے عامر کا مکمل حلیہ بیان کر دیا۔

"میرا خیال ہے اب تمہاری قہقہے ہو گئی ہوگی۔" بخاری نے علی سے کہا۔
"آپ کو شرم آتی ہے بخاری صاحب ابھی آپ مجھ پر قتل کا قلعہ الزام لگا رہے تھے اور اب میرے ساتھی کو قتل کر رہے ہیں۔"

"تم نے اس زنجیر کو گولی چلاتے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔" اس نے اب بڑھے شہنشاہ کو صاف کہا۔
"کمال کر رہے ہیں آپ! انہی پر ہی دھونس بھا رہے ہیں۔ وہاں درجنوں لوگوں نے

میرا سے شہنشاہ دیکھا ہے۔" اس نے جھار کر جواب دیا۔
اس کا مطلب یہ ہے کہ بخاری سے اس وقت وہاں بیٹھا آدمی ہوگا کہ ہے جھٹک کر کسی ہوگا کہ ہے۔ یہ بھی ممکن ہے وہ جو ٹنگ کرہ پاو۔" علی نے اسے چاروں طرف سے گھیر کر دیکھا۔
"آپ نے مجھے کسی پتھر میں پھنسا دیا جناب! ایک تو میرے ساتھ بڑی ہوتی ہے میرا وہ جس پر اس طرح اڑا رہا ہے اور آپ میرا ہاتھ اسے دیکھ رہے ہیں۔" شہنشاہ نے بخاری کی طرف دیکھا

"دیکھو سزاوارتہ پولیس کی موجودگی میں گواہ کو جہاں اسان کر رہے ہیں۔" اس نے علی سے کہا۔
"آپ خاموش رہیے! اب عدالت ہی اس کا فیصلہ کرے گی۔" شہنشاہ شہنشاہ کی طرف متوجہ ہوا۔

اسی اثنا میں کچھن علی کے دونوں خوفزدہ گئے اس کے نزدیک کھڑے ہو گئے تھے۔
"مجھے اس جگہ کی حفاظت کرنی ہے تم نے اپنے ہاں ایک قاتل کو پھنسا دیا ہے۔" بخاری نے اس کی طرف خوفزدہ نظروں سے دیکھا۔

نہ اس کی طرف خوفزدہ نظروں سے دیکھا۔
"نا ممکن اس کے لئے آپ کو وارنٹ لانا پڑے گا۔ آخر میں اس ملک کا ایک باعزت شہری ہوں اور کسی کو اپنے ساتھ زیادتی کرنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔" علی نے پر سکون لہجے میں جواب دیا۔

"چونکہ کے راستے میں روڑے نہ لگاؤ۔ ہمارے ساتھ تعاون کرو۔" بخاری نے دھمکی کے لہجے میں کہا۔
"اگر آپ میں سے کسی نے ایک قدم بھی آگے بڑھایا تو میں اس پر کتے چھوڑ دوں گا۔"

کچھن علی نے رکتوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔
"تمہیں اس کی سزا ضرور بھگتنی پڑے گی خواہ مجھے نوکری سے استعفیٰ ہی کیوں نہ دے پڑے۔" بخاری نے خوفزدہ رکتوں کے تیور دیکھ کر واپس لوٹ جانے ہی میں عالت جانی تھی۔

"خدا حافظ!" علی نے اسے داپس جاتے دیکھ کر کہا۔ اس نے چونک کر کوہاٹ دہی قہقہے کی اب وہ کسی کے لئے گھر کا دروازہ نہ کھولے۔

☆☆☆
کتوں کو واپس بھیج کر وہ کمرے میں داخل ہوا جہاں فون کی گھنٹی اس کی بھڑکی۔
"ہیلو۔" دوسری طرف سے ڈاکٹر مانگو کی آواز سنائی دی۔

[illegible]

☆☆☆

نیچو اب رو بصحت ہو چکا تھا۔
اس وقت وہ اس پوسٹ کس کے سامنے کھڑا تھا جس کا نمبر پورہ فرسٹ نمبر تھا۔
فلائیج اسے دوسرا دن تھا۔ صبح سے شام تک وہ یہاں رہا لیکن کوئی یہاں تک نہیں آیا تھا۔ آج
دوپہر کے بعد اس نے ایک دفتر کے چھوٹی کونجس نے خاک کا رنگ کے کپڑے پہن رکھے تھے اس پوسٹ
کس آفس سے ڈاک وصول کرتے دیکھا۔ پوسٹ کس میں پیشکش تھی چار غلام موجود تھے۔ چوٹی نے
دو غلام اپنے چیلے میں ڈالے اور انہیں چل دیا۔

وہ پیدل ہی جا رہا تھا۔ نیچا اس کے پیچھے تھا۔ بالکل تھکن چار لوگ کا سفر انہوں نے طے کیا تھا۔ جب وہ ایک شاہراہ پر گھوم گیا۔ اس کا رخ ”جینکسن“ نامی ایک پرائیویٹ غیر ملکی کمپنی کے دفتر کی طرف تھا۔

چرا اسی کا تعلق اسی کمپنی سے تھا۔ نیچے اس کے پیچھے پیچھے کھلی کے دفتر میں چلا آیا۔ کچھ کے دفاتر ایک ہال تھا کمرے میں موجود تھے۔ جہاں لوگوں کا آنا جانا گارہتا تھا۔ اس لیے کسی نے اس کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ نیچے نے بھی یہی غاہر کیا تھا جیسے وہ کسی تلاش کرتا ہو ایسا لگتا ہے۔ وہ دراصل یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ چرا اسی یہ ڈاکس کس شخص کے حوالے کرتا ہے۔ یہ بھی تو ممکن تھا کہ اس شخص نے اس کمپنی کی آڑ لے رکھی ہو۔

چراہی سیدھا کرنے میں لگے ایک کیمین کی طرف جا رہا تھا۔ کیمین کا پرہیزوار ہوا تھا اور سامنے ہر ایک شخص کو ٹیلی فون سن رہا تھا چہ اسی نے خفیہ سے خفیوں کے خلاف کال کر کے سامنے رکھ دیا اور وہاں جا رہا گیا۔ نیچے نے کیمین کے باہر لگی اس کے نام کی تختی چڑھ لی۔ وہاں لکھا تھا۔
جے۔ ایس۔ فریڈرک۔ پرسنل منیجر۔

اب اس کا رخ نزدیکی ٹیلیفون بوتھ کی طرف تھا جہاں سے فون کر کے اس نے کیمپن علی کر

پراسرار یوڑھا

جیسے ہی حسی اور اس کی بیٹی آئی مٹی کے دفتر سے برآمد ہوئے، انسپکٹر ناصر ان سے چپکے
میلہ دونوں کا ہنرور کی ایکسی لینڈ کی طرف تھا، ناصر نے اپنی موٹر سائیکل سنبھالی۔
باپ بیٹی ایک دہائی میں بڑھ کر مل دیے۔ انسپکٹر ناصر ایک موٹر سائیکل پر ان کا تعاقب کر رہا
تھا، ایک چھوٹے سے ڈاک خانے کے قریب حسی نے رکش روک دیا۔ انسپکٹر ناصر موٹر سائیکل سڑک
کے کنارے ٹھہری کر کے اس کے ساتھ ہی اندر داخل ہو گیا۔ اس نے دیکھا، حسی نے اپنے کوٹ کی جیب
سے ایک گلابی رنگ کا لفافہ نکالا اور ڈاک خانے سے لٹک خرید کر اس پر چسپاں کر دیے۔
یہ لفافہ اس نے ڈاک خانہ کے باہر گئے میل بکس میں ڈال دیا اور واپس رکش کی طرف چل
پڑا۔ انسپکٹر ناصر نے ایک لمحے کیلئے تھوڑا سا پھر وہ تعاقب کا ارادہ ترک کر کے ڈاک خانے کے پوسٹ
ہاؤس کے پاس پہنچ گیا۔ تھوڑی دیر پہلے ہی یہاں سے بڑے ڈاک خانے والے اپنی گاڑی میں ڈاک
نکل کر لے گئے تھے اب یہاں چند خطوط ہی موجود تھے اور سب سے اوپر وہی گلابی رنگ کا لفافہ دھرا
تھا، انہوں نے باقی خطوط واپس ڈال دیئے اور یہ لفافہ لے کر ڈاک خانے کی بلڈنگ میں چلے آئے۔
انسپکٹر ناصر نے یہاں سے فون کر کے علی کو بلا دیا تھا۔ علی کی آمد تک وہ بڑے نامحسوس طریقے
سے لفافہ کھول چکا تھا۔ دونوں نے اس سے برآمد ہونے والی تحریر پڑھی۔

کتابخانه

وہاں سے ڈاکٹر!

کام تہا دی مرضی کے مطابق ہو رہا ہے لیکن فی الحال مجھ سے رابطہ نہ کرنا۔ میری عمرانی کی

جاری ہے۔

حس

میرا دل بھی اسی لیے تڑپا رہا ہے کہ میری زندگی کی جہاں کی تھی۔
☆ ☆ ☆

میرے پاس سے ایک ایک کر کے گزرتے تھے۔ اس کا رنگ بھی ایک ایک تھا جو کہ وہ لوگ
ہلکی حالت میں پہنچے کرتے تھے۔ اس کا رنگ بھی ایک ایک تھا جو کہ وہ لوگ
ماتحت لپٹاؤں کے ساتھ تھے۔ انھوں نے اس نے سیاہ رنگ کے شیشے کی جھلک دیکھی تھی۔ اس کا
پلہ بھی تھا کہ ایک شیشے کی گولیاں کے فرنیچر بھی مائل تھیں۔ انھوں نے دیکھا کہ اس کے پاس
مچے تھے۔ اس کے گھر کے سامنے موٹر سائیکل کے کھڑا تھا۔ اس کا رنگ بھی ایک ایک تھا جو کہ وہ لوگ
مکرمے سے آئے تھے۔ وہ ایک چھوٹی سی موٹر سائیکل کا چارہ تھا۔ اس کا رنگ بھی ایک ایک تھا جو کہ وہ لوگ
آگاہ کرتی تھیں۔ جن کی کہ وہ موٹر سائیکلوں کے بھی کم تھے۔

وہ سڑک پر آئے۔ آگاہ اور چاندی کے سڑکوں پر گھوم رہا تھا۔ ماس اس کے تعاقب میں
تھیں۔ اس کی موٹر سائیکل بھی کار کے دائیں اور بھی بائیں ہاتھ کر لیتا۔ اس طرف وہ
کار میں کھینچے میں نظر نہیں آ سکتا تھا۔ اس نے محسوس کیا تھا کہ بڑا حاشی جلاشتی جلاشتی آوارہ گردی کر کے
اپنے تعاقب کا اندازہ لگانا چاہتا ہے۔

ماس نے اسے تعاقب کا احساس ہی نہیں ہونے دیا تھا۔ جب شیشے مطمئن ہو گیا کہ اس کی
گراہی نہیں کی جا رہی تو وہ شہر سے باہر جانے والی سڑک پر آ گیا۔ یہ سڑک ساحل سمندر کی طرف جا
رہی تھی اور اس پر دھڑ دھڑاتی تھی۔ ماس کو پڑی ہوئی شکاری سے تعاقب کرنا پڑا۔

تھا خدا کر کے تعاقب کا یہ سلسلہ ساحل سمندر پر بنے ایک ریستوران کے نزدیک ختم ہوا۔ یہ
ریستوران بند گاؤں کے نزدیک بنا ہوا تھا اور اکثر ساحل سمندر پر تفریح کرنے والے لوگ یہاں آیا کرتے
تھے۔ ماس نے اپنی موٹر سائیکل تیزی سے آگے بڑھائی اور دوسری طرف لے جا کر پارک کر دی۔

اس نے شیشے کو پارک کرنے کے بعد اس سے اتار کر ساحل سمندر کی اس سمت جاتے دیکھا
جو دریا کے چنگ مڑ رہے تھے۔

ماس نے کافی فاصلے سے اس پر نظر رکھی ہوئی تھی۔ سمندر کے اس حصے میں لوگ لالچوں کے
دو پہلے سمندر کی سر کر رہے تھے۔ اس نے ایک ایسی ہی لالچ سے ایک ملاح کو اتارتے دیکھا جو سیدھا
شیشے کی طرف آگاہ دھڑوں نے اس طرح آہیں میں ہاتھ ملایا جیسے پہلے سے ایک دوسرے کے واقف
رہے ہوں۔ شیشے نے اسے اپنے ہاتھ لیا اور اسی ریستوران کی طرف آ گیا۔

ماس نے اس کا اندازہ بجا رہا تھا کہ وہاں ایک کونے میں میز سنبھال لی۔ اس کی توقع کے برعکس

میرا دل بھی اسی لیے تڑپا رہا ہے کہ میری زندگی کی جہاں کی تھی۔
☆ ☆ ☆

وہ جہاں تھا کہ شیشے کا رنگ بھی ایک ایک تھا جو کہ وہ لوگ
ہلکی حالت میں پہنچے کرتے تھے۔ اس کا رنگ بھی ایک ایک تھا جو کہ وہ لوگ
ماتحت لپٹاؤں کے ساتھ تھے۔ انھوں نے اس نے سیاہ رنگ کے شیشے کی جھلک دیکھی تھی۔ اس کا
پلہ بھی تھا کہ ایک شیشے کی گولیاں کے فرنیچر بھی مائل تھیں۔ انھوں نے دیکھا کہ اس کے پاس
مچے تھے۔ اس کے گھر کے سامنے موٹر سائیکل کے کھڑا تھا۔ اس کا رنگ بھی ایک ایک تھا جو کہ وہ لوگ
مکرمے سے آئے تھے۔ وہ ایک چھوٹی سی موٹر سائیکل کا چارہ تھا۔ اس کا رنگ بھی ایک ایک تھا جو کہ وہ لوگ
آگاہ کرتی تھیں۔ جن کی کہ وہ موٹر سائیکلوں کے بھی کم تھے۔

اس سے پہلے کہ وہ کوئی فیصلہ کرتا تھا اسے اپنے تعاقب میں شیشے کی گولیاں کا
ملاح کی لاش پڑی تھی جسے اس نے شیشے کے ساتھ دیکھا تھا۔ ایک لکھا حاشی
وہ اس کے ملاح میں آگاہ تھا۔ یہ تھوکرے کر وہ کی خاص تھی تھی۔

ماس بھانسا ہوا تھا کہ اس نے اپنی شیشے کی وہاں موجود تھیں تھا۔ وہ ٹاک ہو چکا تھا اس نے اپنے سڑ
سائیکل سنبھالی اور اب وہ سیدھا کیشین ملی کی طرف جا رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ کیشین ملی کے سامنے پہنچا
اور وہاں تعاقب جہاں کر رہا تھا۔

”اب آپ اسے فوراً گرفتار کر لیں۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اس نے ملاح کو قتل کیا
ہے۔ وہاں بھی اس کی کار میں ہوا تھا۔“ اس نے کیشین ملی سے کہا۔

”کیسی بے وقوفی کی باتیں کر رہے ہو۔ کیا ممکن ہے کہ ہم قاتل کو گھونک چکے کے ایک ہم
ذریعے سے ہاتھ دھو بیٹھیں۔“

”مجھے آپ اس کی منطق کی کچھ سمجھ نہیں آئی۔ قاتل ہمارے سامنے ہے اور آپ اسے گرفتار
نہیں کر رہے۔ کیا یہ قانون کا مذاق نہیں؟“

”ماس صاحب! کبھی کبھی قانون کی حکمت کے لیے قانون شکنی بھی برداشت کرنی پڑتی
ہے۔“

”آپ کی باتیں آپ ہی سمجھیں۔ مجھے تو یہ بڑا محسوس ہے کہ زیادتی چلا کر اور خطرناک
نکال دیتا ہے۔“

غیبی اعداد

دولیم کی وہاں آمد نیچے کیلئے جہان کن بھی تھی اور پریشان کن بھی۔ وہ تو جاگو کے ٹون کا سنا تھا اور یہاں جس شخص کے پاس وہ آتا تھا وہ جاگو کا دوا دار۔
 ”یہ بھی تو ممکن ہے دولیم کسی جال میں پھنس گیا ہو۔“ نیچے نے سوچا۔
 اس کا خیال بالکل درست تھا اور دولیم کو واقعی یہاں دھوکے سے بلایا گیا تھا۔ غیب سے سوچا وہ آفریکین علی کا اس تازہ ہونے کی اطلاع کس طرح دے گا۔ یہ تو ممکن ہی نہیں تھا کہ علی نے اسے نظر انداز کر دیا ہو۔ وہ جانتا تھا کہ اپنے ساتھیوں کو کسی بھی کمپن کے کپٹن علی ان کی گمرانی ضرور کرتا ہے۔ لیکن اب اس حقیقت میں ہونے والی مشکوک اسے صاف سنائی دے رہی ہوگی اور میں ممکن ہے کہ دولیم کی آواز بچانے لے۔

دولیم کو ڈرائنگ روم میں بٹھا کر وہ بچکن سے اس کیلئے کچھ لینے چلا گیا۔ ٹھوڑی دیر بعد اس کی واپسی ہوئی تو اس کے ہاتھ میں دو گلاس پکڑے ہوئے تھے۔ ایک گلاس اس نے دولیم کو چھو دیا اور اس سے ہانسی کرنے لگا۔ ان کی باتوں سے یہی لگتا تھا جیسے فریڈک دولیم کی خدمات کسی سرکس شو کیلئے حاصل کرنا چاہتا ہے۔

چلو کیا اندازہ لگنے میں دیر نہ لگی کہ اس نے سات بجے کا وقت جاگو کو دیا ہے کیونکہ جاگو کا اصول تھا کہ وہ اپنے خاص دشمنوں کو اپنے ہی ہاتھوں موت کے گھاٹ اتارا کرتا تھا اور میں ممکن ہے کہ دولیم کو بھی قتل کر دینا چاہتا ہو۔

نیچے کیلئے اس وقت سب سے ضروری بات تھی دولیم کی جان کی حفاظت۔ اس نے اپنی جیب میں سے دو چھوٹے چمکانے کاغذ سا پتھر نکال لیا اور اسے ہاتھ میں قلم لیا۔ اب وہ کسی بھی لمحے

دولیم کی کرکڑ سے کیلئے چار تھا۔
 خدا حافظ کر کے سات بجے اس کے ساتھ فریڈک کے کلب کی طرف چلا گیا۔
 فریڈک تو دروازہ کھولنے چلا دیا۔ نیچے نے بھرتی سے ہاتھ لگا کر اس کے کلب کے لئے چار کر لیا۔ دروازہ کھلتے ہی جس شخص پر غصہ ہونے لگا اس کی آنکھیں پھریں گئیں۔
 وہ ڈاکٹر جاگو تھا۔

اس وقت جاگو نے اپنے ہاتھ میں پتھر کا کرکڑ لگا تھا اور وہ ساتھ ہی طرف آ رہا تھا۔ فریڈک نے اس کی ہڈ کیلئے اپنا ہاتھ نکال کر دولیم پر تان دیا تھا۔
 ”مستر دولیم! امید ہے تم اپنے ہاتھ دوست سے لے کر غیبی مصلیٰ کر رہے ہو گے۔“ فریڈک نے دولیم سے کہا۔

”اس کا مطلب ہے جہیں غیبی نہیں ہوئی۔ تم تمہاری مرضی مٹاؤ گے مجھے کیا اسے جی کر تم اپنے پرانے دوستوں سے مل کر ضرور خوش ہو گے۔“ اس مرتبہ جاگو نے اس کی بات کا جواب دیا۔
 ”میں تم پر بڑا رعبہ لے چکا ہوں۔“ دولیم نے عمارت سے جاگو کی طرف دیکھا کہ اس نے بہت اچھی بات ہے اس سے بھی زیادہ رعبہ لے چکا ہو۔ کیونکہ اس کے ہونٹ زخمی نہیں رہے۔
 ”جاگو نے تیرا ہاتھ لگا دیا۔“
 ”تم ایسا دھوکا کھلی مرتب نہیں کر رہے جاگو۔“ دولیم کھڑا رہا تھا۔
 ”شاید تمہارا دماغ موت کے خوف نے خراب کر دیا ہے جس طرح بکلی بکلی ہانسی کرتے تھے ہو۔“ جاگو بولا۔

”تم جانتے ہو میں کپٹن علی کا دوست ہوں اسے اس بات کا بھی علم ہے کہ میں اس وقت یہاں ہوں۔ یاد رکھنا۔ اتم یہاں سے کبھی بچ کر نہیں جاؤ گے۔“ دولیم نے اس کی طرف دھڑکے سے منہ کر دیا۔ وہ جانتا تھا کہ کسی بھی طرح جاگو پر گھبراہٹ طاری کر سکے۔
 ”میں زندہ رہ کر اب کروں گا بھی کیا۔ دولیم تم نے اب تمہاری اس کپٹن کے بچنے پر ایک لکھنا نہ باقی نہیں رہنے دیا۔ اب تو میری زندگی کا صرف ایک ہی مقصد باقی رہ گیا ہے کہ تم اور تمہارے ساتھیوں کی جان اپنے ہاتھوں سے لوں۔ اس لئے میں اس ملک میں آیا ہوں۔“ جاگو کا لہجہ بڑا خوشنود تھا۔

”تم یہ حسرت ہی دل میں لے کر مر جاؤ گے جاگو۔“ دولیم بولا۔ ”چند لمحوں میں یہاں کپٹن علی تمہاری زبان کاٹنے کے لئے آ جائے گا۔“

☆☆☆

اس کے ساتھ ہی نیچے نے اپنی جگہ سے پردہ ہٹا کر بانگو پر چملاٹک لگائی۔ اسے یوں لگے جیسے وہ فوٹو لارڈ بیچنے کی پہاڑ پر گر رہا ہو۔ بانگو نے اسے دونوں ہاتھوں سے چھت کی طرف اچھال دیا تھا۔ خیریت گزرتی کہ وہ کرے کو کوئے میں رکھے صوفے پر گر آ۔ ورنہ اس کی ہڈی پستلی برابر ہو جاتی۔

اس کے ساتھ ہی باہر سے گولیاں چلنے کی آواز سنائی دی۔ یوں لگتا تھا جیسے باہر کچھ لوگوں کی آہٹیں میں اٹھ رہی ہیں۔ نیچے نے اندازہ لگا لیا کہ بانگو یہاں اکیلا نہیں آیا تھا اس کے ساتھ ہی بھی باہر موجود رہے ہیں گے جن کی باہر موجود خیر۔ پولیس کے لوگوں سے لڑائی ہو رہی تھی۔

نیچہ اور لہو دونوں نے وہاں سے کہہ رہے تھے میں عافیت جاتی تھی۔

اس سب کے لئے چمکا دینے والی بات یہ تھی تاں گوداں سے غائب تھا۔ اچانک ہی کسی نے

20

فریڈرک کو انہوں نے ایک کونے میں گرہ دی تھا۔ اس کی ہر جگہ کی مشینوں میں ہر جگہ سے
بولوں کے ساتھ ہی عجیبے پولیس کے کچھ سپاہی بھی تھے۔ علی کے پاس سے پہلے اس کے فریڈرک کو کھانک
تھوڑے لمبے تھے۔

☆☆☆

نیچر کی چلائی ہوئی گولی ناگھو کے ہاتھ میں لگی تھی۔ جس کا ثبوت وہاں فرش پر موجود خون کے قطرے تھے۔ خون کے یہ قطرے کمرے کی دوسری کھڑکی تک چلے گئے تھے۔ کیونکہ علی اور اس کے ساتھیوں نے دیکھا، کھڑکی کھلی تھی اور اس کے ساتھ ہی چابک گزر رہا تھا۔ انہیں یہ اندازہ لگانے میں مدد نہ ملی کہ گھوڑی راستے سے فرار ہوا ہے۔

پولیس کے جوانوں نے ان کی مدد سے لوگوں کو باہر نکالنا شروع کیا۔ پھر بھی چونک سہی گھر گئے۔ آگ اتنی برق رفتاری سے پھیلی تھی کہ فائر بریگیڈ کے آنے تک اس نے ساری عمارت کو اپنی

تجربہ آویں اس آگ میں جلیں گے اور انھوں کا نقصان اس کے علاوہ ہوا تھا۔ قاضی نے فرمایا کہ
 وہی کوشتوں کے ہوا آگ پر قابو نہ پا سکا اس نقصان نے کچھین علی کو ناسا دل شکستہ کر دیا تھا۔ اس
 نے اس کو مارا تھا کہ یہ گڑب گڑی ہوئی ہے۔
 وہی نے گھر چلا گیا لیکن پہنچے وہی صحت یں تھے جب علی فون کی گھنٹی بجی کچھین علی نے
 فون کو اٹھا لیا۔ دوسری طرف ان کو اسے مخاطب تھا۔
 "کیا باہر دیکھا؟" اس نے فون پر لکھا۔
 "نہیں دیکھا۔ آج تک تھوڑا سا گھٹیا بھرم نہیں دیکھا۔ تھوڑے عرصے میں ہم سے چار لڑکی
 ہوتی ہیں۔ بے گوارہ شوہروں سے چار لے رہا ہے۔" علی کا خون کھول رہا تھا۔ لیکن اس نے اپنا دماغ
 ٹھنڈا رکھا۔
 "کچھین علی! میں تمہارے بارے میں کچھ سوچ رہا تھا کہ ان لوگوں کا تم نے میری ایجادات کو چھپا کر
 دیا ہے۔ میں تم کو ہمارے گھر لے گا۔"
 "اس کا فیصلہ وقت کرے گا۔" علی نے فون کر لیا۔ پر فون دیا۔ اسے زعمی میں آج پہلی مرتبہ
 کسی بھرم کی بدولت پر غصہ آ رہا تھا۔

☆☆☆

جس کے تحت سرجہ و دھڑکے اندر پھر لگا کر باہر آ چکا تھا۔ اس دوران بوڑھے شمشکی کی بیٹی اپنی
 میز پر ایک سی پوزیشن میں بیٹھی دیکھائی دیتی تھی۔ عامر دل ہی دل میں دعا مانگ رہا تھا کہ وہ اب جلد ہی
 باہر نکلتے تاکہ وہ بھی اس لذت پا تھ سے نجات حاصل کرے۔ اس کی دعا شاید قبول ہو گئی تھی کیونکہ اس نے
 پاٹھ بیٹے کے قریب لڑکی کو باہر نکلنے دیکھا۔
 گزشتہ روز سے وہ اس کی عمر کی گزرتی رہا تھا اور کام کی ایک بات اس کے بطن میں پڑی تھی۔
 شمشکی کی بیٹی سارو پیڈل سی شمشکی سب سے بڑی مارکیٹ کی طرف جا رہی تھی۔ پھر عامر نے
 اس کا سر ٹپکے جانے پہنچے ہوئی کی طرف بدلتے دیکھا۔ اس ہوئی میں وہی لوگ قدم رکھ سکتے تھے جن کی
 جیب فونوں سے غرض دہاتی ہے۔ عام آدمی فون کے نزدیک پہنچنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔
 عامر نے ریڈیو میڈ میک اپ لیکن رکھا تھا۔ سارے کے تعاقب میں وہ بھی ہوئی کے ڈائریکٹ
 ہل میں آگیا کہ اس نے لکی میز منتخب کی تھی جہاں سے سارے پر نظر اچھی طرح رکھ سکے۔
 سارے لکھی ایک میز پر بیٹھی تھی۔ شاید اسے کسی کا انتظار تھا۔ اور جب وہ آیا تو عامر کا چہرہ

جہاں علی شمشکی کی بات تھی۔ اس نے ڈائریکٹ ہل کے دروازے سے اس گھر کو دیکھا۔
 جس نے اسے یہ بیان دکھائے تھے۔
 یہ چھوڑ کر پھر راجہ تھا جس کا تعاقب کرتے ہوئے اس کا تھکا ہوا لڑکی کو پکارتے ہوئے تھا۔
 علیہ ناسا دل کر رکھا تھا اس کی سوجھیں غاصی گھنٹی ہو گئی تھی۔ چارے پہنچتی ہوئی لکھی کے
 ساتھ اس نے شمشکی فریم کی بیٹک بھی لکھ گئی تھی۔
 ہوئی میں ابھی موستی بی رہی تھی اور اگر عامر خوش بھی کرنا تو اس کے لیے کھنڈ چاہیے۔
 اسے شروع ہی سے اس بے ہودہ موستی سے طرقت تھی لیکن آج اس پر ٹوکا تو شمشکی نے اس کا ہاتھ اپنے
 طرف کھینچ دیکھا کہ وہ نے سارے کو کھینچ دیا تھا۔ جہاں سے پہنچے اسے اسے اسے اسے اسے اسے اسے
 عامر کے ذہن میں فوراً ہی یہ بات آئی کہ اگر انہوں نے ان کے ایک ایک طرف تو اس کا تعاقب
 کرے گا اس خیال کے آتے ہی وہ اٹھ کر ڈاکٹر کی طرف گیا اور دوسرے ہی لمحے علی فون پر پہنچ گیا
 بات کر رہا تھا جس نے اسے سارے کے تعاقب کا حکم دیا تھا۔
 علی فون سے فارغ ہو کر وہ دوبارہ اٹھا میز پر بیٹھ گیا۔ ابھی اسے پہنچے ہی شمشکی کی صحت ہی
 ہوئے تھے جب اس نے سامنے دروازے سے اس کیلچر ہمارے کاغذ داخل ہوتے دیکھا۔ پھر یہ صحت کی
 میز کی طرف آ رہا تھا۔ عامر کی میز کے نزدیک وہ ٹپک کر گا۔ اس دوران عامر نے اسے لکھی کی نشان دہی
 کر دی تھی۔ تاہم اس نے مطمئن ہو کر راجہ کے نزدیک ایک میز منتخب کیا۔
 قیوڑی دیر بعد سارے اٹھ کھڑی ہوئی۔ عامر کی توقعات کے مطابق انہوں نے ان کے ایک
 میز سے نکلنے کا فیصلہ کیا تھا۔
 سارے کے گیت سے باہر نکلنے ہی عامر اس کے پیچھے پیچھے چل دیا۔ اسے لکھی اس پر تھی کہ سارے
 کسی سواری کے ذریعے گھر تک جا سکیں۔ اس کا گھر یہاں سے کم از کم ایک میل دور واقع تھا۔ لکھی اس کی
 توقعات کے برعکس وہ پیڈل ہی گھر کی طرف جا رہی تھی۔
 شام ڈھل چکی تھی۔ اندر میز پر بیٹھے لگا تھا اور عامر سوچ رہا تھا کہ آٹھویں اس بات کا اس طرح
 بدلتے گئے گا کہ راجہ نے اسے لکھی کیا اہم چیز دی ہے جہاں نے اپنے بٹے میں رکھی ہوئی ہے اس کا
 گھر نزدیک آ چکا تھا۔ عامر کو تعاقب بھی درمیان میں قائلہ کہ کر کرنا چاہا۔ وہ سارے کو یہ احساس نہیں دلا
 پاتا تھا کہ اس کا تعاقب کیا جا رہا ہے۔
 بہت مغز ماری کے بعد پتا چلا کہ اس کے ذہن میں ایک ترکیب آئی تھی۔ جو وہ لکھی کی طرف
 ہنگامی حالت میں استعمال کیا کرتا تھا۔ اس ترکیب کے ذہن میں آتے ہی اس نے اپنی جیکٹ کی جیب

وہ ایک دوسرا معاملہ تھا اور اسے اپنے گھر میں بانٹ لیا۔ اس کے بعد اس نے اپنے باپ کو خبر
دے کر گھر کے باپ کو اس کے ایک بھائی کو لے کر وہاں پہنچا دیا تھا۔
مگر یہ کہ اس کے باپ کو اس کے بھائی کو دے دیا تھا۔ اس نے ایک کمرہ کے چار
کمرے پر کمرے کے دروازے میں داخل ہونے والی تھی جس میں اس نے ایک کمرہ کے چار
کمرے کا نوٹہ دیکھا تھا۔ اس کی بیٹی چلتی تھی وہ بھی وہاں کون تھا جس کی مدد کرتا۔ شہر میں شواہد
کے پاس پھینکی دارا تھی وہ بھی وہاں تھا جیسے یہ اس کی نوعیت کی کوئی اور حالت
ہوگی۔

اس کے چچے چچا نے پرستی چار لوگ روکے سے عمارت کے طرف دوڑے ضرور تھے لیکن وہ ایک
اعجمی لڑکی تھی وہاں سے چاروں طرف سے "پتھر پتھر" کی آواز سنائی دینے لگی تھی۔
یہ کئی کئی لمحوں تھا کہ چار لڑکیاں کہاں سے!

توڑی دیر بعد وہ اپنے اصلی روپ میں کچھن علی کے سامنے موجود تھا۔ اس نے علی کے
سامنے کئی بیز پر غصہ چڑا دیا اور اس کا ایک انگوٹھی، پلٹ پاؤں اور پلٹ اسٹیک، ایک اپ کا
سلاخی ایک اصرار یہ تین پانچ کا ہتھولہ، کچھ لٹری اور ایک لحاف۔
"یہ کیا ہے؟" علی نے حیرت سے پوچھا۔

حاصر نے اسے ایک ایک چیز کا نام بتاتا شروع کر دیا۔ پھر بولا۔ "یہ تمام چیزیں ایک پرس
میں تھیں اور پرکڑے شے کی مظلوم بیٹی سارہ کے ہاتھ میں پکڑا ہوا تھا۔"
"میں کہتا کہ اس نے بھاری سے تمہاری شکایت کی تھی اور اب تم انتقامی کارروائی پر اتر
آئے ہو۔" کچھن علی نے سہماتے ہوئے کہا۔

"لیکن اس پرچہ شاید وہ اپنے لئے کوئی رپورٹ نہ لکھوا سکے۔"
"وہ کیوں؟"
کیونکہ اس مرتبہ واقعی اسے لونا گیا ہے اور چار دوسرے چاروں کے خلاف شکایت نہیں کیا
کرتے۔ حاصر نے اطمینان سے جواب دیا۔

اب تم جو بھی کہو لیکن حقیقت جو تھی میں نے بیان کر دی۔" علی بدستور مسکرا رہا تھا۔
انہوں نے لحاف ہٹا کر اس میں سے ایک مختصر تحریر برآمد ہوئی۔
"آج رات گیارہ بجے ریڈ لائن۔"

وہ ایک دوسرا معاملہ تھا اور اسے اپنے گھر میں بانٹ لیا۔ اس کے بعد اس نے اپنے باپ کو خبر
دے کر گھر کے باپ کو اس کے ایک بھائی کو لے کر وہاں پہنچا دیا تھا۔
مگر یہ کہ اس کے باپ کو اس کے بھائی کو دے دیا تھا۔ اس نے ایک کمرہ کے چار
کمرے پر کمرے کے دروازے میں داخل ہونے والی تھی جس میں اس نے ایک کمرہ کے چار
کمرے کا نوٹہ دیکھا تھا۔ اس کی بیٹی چلتی تھی وہ بھی وہاں کون تھا جس کی مدد کرتا۔ شہر میں شواہد
کے پاس پھینکی دارا تھی وہ بھی وہاں تھا جیسے یہ اس کی نوعیت کی کوئی اور حالت
ہوگی۔

اس کے چچے چچا نے پرستی چار لوگ روکے سے عمارت کے طرف دوڑے ضرور تھے لیکن وہ ایک
اعجمی لڑکی تھی وہاں سے چاروں طرف سے "پتھر پتھر" کی آواز سنائی دینے لگی تھی۔
یہ کئی کئی لمحوں تھا کہ چار لڑکیاں کہاں سے!

توڑی دیر بعد وہ اپنے اصلی روپ میں کچھن علی کے سامنے موجود تھا۔ اس نے علی کے
سامنے کئی بیز پر غصہ چڑا دیا اور اس کا ایک انگوٹھی، پلٹ پاؤں اور پلٹ اسٹیک، ایک اپ کا
سلاخی ایک اصرار یہ تین پانچ کا ہتھولہ، کچھ لٹری اور ایک لحاف۔
"یہ کیا ہے؟" علی نے حیرت سے پوچھا۔

حاصر نے اسے ایک ایک چیز کا نام بتاتا شروع کر دیا۔ پھر بولا۔ "یہ تمام چیزیں ایک پرس
میں تھیں اور پرکڑے شے کی مظلوم بیٹی سارہ کے ہاتھ میں پکڑا ہوا تھا۔"
"میں کہتا کہ اس نے بھاری سے تمہاری شکایت کی تھی اور اب تم انتقامی کارروائی پر اتر
آئے ہو۔" کچھن علی نے سہماتے ہوئے کہا۔

"لیکن اس پرچہ شاید وہ اپنے لئے کوئی رپورٹ نہ لکھوا سکے۔"
"وہ کیوں؟"
کیونکہ اس مرتبہ واقعی اسے لونا گیا ہے اور چار دوسرے چاروں کے خلاف شکایت نہیں کیا
کرتے۔ حاصر نے اطمینان سے جواب دیا۔

اب تم جو بھی کہو لیکن حقیقت جو تھی میں نے بیان کر دی۔" علی بدستور مسکرا رہا تھا۔
انہوں نے لحاف ہٹا کر اس میں سے ایک مختصر تحریر برآمد ہوئی۔
"آج رات گیارہ بجے ریڈ لائن۔"

یہ کئی کئی لمحوں تھا کہ چار لڑکیاں کہاں سے!

توڑی دیر بعد وہ اپنے اصلی روپ میں کچھن علی کے سامنے موجود تھا۔ اس نے علی کے
سامنے کئی بیز پر غصہ چڑا دیا اور اس کا ایک انگوٹھی، پلٹ پاؤں اور پلٹ اسٹیک، ایک اپ کا
سلاخی ایک اصرار یہ تین پانچ کا ہتھولہ، کچھ لٹری اور ایک لحاف۔
"یہ کیا ہے؟" علی نے حیرت سے پوچھا۔

حاصر نے اسے ایک ایک چیز کا نام بتاتا شروع کر دیا۔ پھر بولا۔ "یہ تمام چیزیں ایک پرس
میں تھیں اور پرکڑے شے کی مظلوم بیٹی سارہ کے ہاتھ میں پکڑا ہوا تھا۔"
"میں کہتا کہ اس نے بھاری سے تمہاری شکایت کی تھی اور اب تم انتقامی کارروائی پر اتر
آئے ہو۔" کچھن علی نے سہماتے ہوئے کہا۔

"لیکن اس پرچہ شاید وہ اپنے لئے کوئی رپورٹ نہ لکھوا سکے۔"
"وہ کیوں؟"
کیونکہ اس مرتبہ واقعی اسے لونا گیا ہے اور چار دوسرے چاروں کے خلاف شکایت نہیں کیا
کرتے۔ حاصر نے اطمینان سے جواب دیا۔

اب تم جو بھی کہو لیکن حقیقت جو تھی میں نے بیان کر دی۔" علی بدستور مسکرا رہا تھا۔
انہوں نے لحاف ہٹا کر اس میں سے ایک مختصر تحریر برآمد ہوئی۔
"آج رات گیارہ بجے ریڈ لائن۔"

یہ کئی کئی لمحوں تھا کہ چار لڑکیاں کہاں سے!

توڑی دیر بعد وہ اپنے اصلی روپ میں کچھن علی کے سامنے موجود تھا۔ اس نے علی کے
سامنے کئی بیز پر غصہ چڑا دیا اور اس کا ایک انگوٹھی، پلٹ پاؤں اور پلٹ اسٹیک، ایک اپ کا
سلاخی ایک اصرار یہ تین پانچ کا ہتھولہ، کچھ لٹری اور ایک لحاف۔
"یہ کیا ہے؟" علی نے حیرت سے پوچھا۔

حاصر نے اسے ایک ایک چیز کا نام بتاتا شروع کر دیا۔ پھر بولا۔ "یہ تمام چیزیں ایک پرس
میں تھیں اور پرکڑے شے کی مظلوم بیٹی سارہ کے ہاتھ میں پکڑا ہوا تھا۔"
"میں کہتا کہ اس نے بھاری سے تمہاری شکایت کی تھی اور اب تم انتقامی کارروائی پر اتر
آئے ہو۔" کچھن علی نے سہماتے ہوئے کہا۔

کے ساتھ ساتھ اس کا ہوا تھا۔ یہاں پر اس نے اپنے ہاتھ میں پکڑے اور اس پر ایک قسم کی کھال
 چڑی کر گیا۔
 "نیکل اور اسل سائل کے کنارے میں چھ کوسٹ گاڑی وہ چور رات رشتہ کیلئے تھا۔
 نے اندر جاتا ہی تھے سہارا کرنا تھا تو پھر سے میں لے آیا۔
 یہ سب کچھ کیا تھا کہ اس کے پاس میں چور کو گزرا کر رہ گئے۔ انہوں نے ہاتھ لگا کر
 کر دی۔ لیکن یہاں تک کہ وہ ایک طرف سے اور جلدی انہوں نے اٹھیا اور اس کے لیے کیونکہ ان کا ایک ماسی
 رہا ہوا تھا۔
 راجہ اپنے تین ساتھیوں سمیت گرفتار ہوا تھا جب ان لکڑی کے تھکوں کو کھولا گیا تو سب کی
 آنکھیں جرت سے کھلی کی رہ گئیں۔ ان میں وہ خطرناک تھیں بھی تھیں جن کے ذریعے ان کو کھنڈی
 کے ملک میں چابی کا سکتا تھا۔
 نیچے اور ناصر کو بھی کے پاس میں ہار میں چھپے ہوئے تھے۔
 یہ ہار سے ششی کی کوئی بھی اور دونوں شام ہی سے اس کی نگرانی کر رہے تھے۔ ششی ابھی تک
 وہیں نہیں ہوا تھا جب رات گہری ہونے لگی تھی۔ انہوں نے کوئی سے سامنے والی سڑک کے کنارے
 اپنی گاڑی پارک کر رکھی تھی۔
 اچانک وہ چونکے۔
 سڑک پر دور سے انہیں گاڑی کی ہیڈ لائٹس دکھائی دے رہی تھیں۔ پھر انہیں ایک کار بھی
 باری سے اس طرف آتی نظر آئی۔ اس کار کو پروفیسر ششی ڈرائیور کر رہا تھا۔
 کوئی کے پاس اس نے کار روک کر اطلاقی تھقی تباہی دروازہ اس کی بیٹی سارہ نے کھولا۔ پھر
 اس نے لکڑی لگا دی۔
 ششی نے اس سے کچھ کہا اور دونوں قریب آجھا گئے ہوئے کوئی کے برآمدے تک آئے۔ پھر
 اندر کرے میں داخل ہو گئے۔
 کمرے میں داخل ہو کر انہوں نے دروازہ بند کر لیا۔ ناصر نے نیچے کی طرف معنی خیز نظروں
 سے دیکھا۔ پھر دونوں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے کو دیکھا۔ نیچے نے ناصر کا مطلب سمجھا
 تھا۔ آج میں نے خاص طور سے بڑے جوتے اسی مقصد کے پیش نظر پہنے تھے۔
 بی کی طرف دبے پاؤں چلا وہ اس کمرے کی پشت پر آ گیا جس میں دونوں بند تھے۔ اندر
 لائٹ مل رہی تھی۔ نیچے نے چپوں کے بل کھڑے ہو کر ایک کھڑکی سے اندر جھانکا۔ دونوں بڑی افراتفری

کے ساتھ ساتھ اس کا ہوا تھا۔ یہاں پر اس نے اپنے ہاتھ میں پکڑے اور اس پر ایک قسم کی کھال
 چڑی کر گیا۔
 "نیکل اور اسل سائل کے کنارے میں چھ کوسٹ گاڑی وہ چور رات رشتہ کیلئے تھا۔
 نے اندر جاتا ہی تھے سہارا کرنا تھا تو پھر سے میں لے آیا۔
 یہ سب کچھ کیا تھا کہ اس کے پاس میں چور کو گزرا کر رہ گئے۔ انہوں نے ہاتھ لگا کر
 کر دی۔ لیکن یہاں تک کہ وہ ایک طرف سے اور جلدی انہوں نے اٹھیا اور اس کے لیے کیونکہ ان کا ایک ماسی
 رہا ہوا تھا۔
 راجہ اپنے تین ساتھیوں سمیت گرفتار ہوا تھا جب ان لکڑی کے تھکوں کو کھولا گیا تو سب کی
 آنکھیں جرت سے کھلی کی رہ گئیں۔ ان میں وہ خطرناک تھیں بھی تھیں جن کے ذریعے ان کو کھنڈی
 کے ملک میں چابی کا سکتا تھا۔
 نیچے اور ناصر کو بھی کے پاس میں ہار میں چھپے ہوئے تھے۔
 یہ ہار سے ششی کی کوئی بھی اور دونوں شام ہی سے اس کی نگرانی کر رہے تھے۔ ششی ابھی تک
 وہیں نہیں ہوا تھا جب رات گہری ہونے لگی تھی۔ انہوں نے کوئی سے سامنے والی سڑک کے کنارے
 اپنی گاڑی پارک کر رکھی تھی۔
 اچانک وہ چونکے۔
 سڑک پر دور سے انہیں گاڑی کی ہیڈ لائٹس دکھائی دے رہی تھیں۔ پھر انہیں ایک کار بھی
 باری سے اس طرف آتی نظر آئی۔ اس کار کو پروفیسر ششی ڈرائیور کر رہا تھا۔
 کوئی کے پاس اس نے کار روک کر اطلاقی تھقی تباہی دروازہ اس کی بیٹی سارہ نے کھولا۔ پھر
 اس نے لکڑی لگا دی۔
 ششی نے اس سے کچھ کہا اور دونوں قریب آجھا گئے ہوئے کوئی کے برآمدے تک آئے۔ پھر
 اندر کرے میں داخل ہو گئے۔
 کمرے میں داخل ہو کر انہوں نے دروازہ بند کر لیا۔ ناصر نے نیچے کی طرف معنی خیز نظروں
 سے دیکھا۔ پھر دونوں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے کو دیکھا۔ نیچے نے ناصر کا مطلب سمجھا
 تھا۔ آج میں نے خاص طور سے بڑے جوتے اسی مقصد کے پیش نظر پہنے تھے۔
 بی کی طرف دبے پاؤں چلا وہ اس کمرے کی پشت پر آ گیا جس میں دونوں بند تھے۔ اندر
 لائٹ مل رہی تھی۔ نیچے نے چپوں کے بل کھڑے ہو کر ایک کھڑکی سے اندر جھانکا۔ دونوں بڑی افراتفری

☆☆☆

قربانی کے بکرے

عامر پچھلے دو بجے سے کوٹھی کے گرد پھر رہا تھا۔ لیکن ابھی تک نہ کوئی اندر گیا تھا نہ ہی کوئی باہر آیا تھا۔ اس وقت بھی وہ بوتلوں کی طرح متھائے کوٹھی کے سامنے ایک درخت کے نیچے کھڑا رہا۔ جب ایک کار اس کے نزدیک آ کر ٹھہری۔

"معاذ جگتہ جناب" کسی نے عامر کو گلاب کیا۔

"مکروید" اس نے گردن موڑ کر بغیر جواب دیا۔

"جیس جاری طرف دیکھو کسی" دوسری آواز سنائی دی۔

جب عامر نے آواز کی طرف گردن گھما کر دیکھا تو کاری آگلی سیٹ پر ایک معزز سا آدمی بیٹھا اس کی طرف سرکاتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ اس نے ہاتھ کے اشارے سے عامر کو پچھلی سیٹ پر بیٹھنے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ عامر نے اصرار دیکھا تو وہ بوتلوں کی تالیاں اس کی طرف اٹھائی ہوئی تھیں۔

"آپ کو واقعی ٹھہری سے کام ہے؟" عامر نے بظاہر حیرانگی سے پوچھا۔

"جناب" مختصر جواب ملا۔

"فرمائیے؟"

"آپ اندر تریف لائیں تو ہم بھی کچھ عرض کریں۔" اس شخص نے کہا۔

ابھی اس کی بات مکمل عمل ہی ہوئی تھی جب پچھلی سیٹ پر بیٹھے مسلح آدمیوں میں سے جرحی سے کوئی ہنسنا ہوا لڑکا تھا ہاتھ پر لٹایا۔ اس نے عامر کو بازو سے پکڑا اور وہ محاکمے کے کار کے اندر بھاگا۔

اب عامر کوٹھی پر کھڑے مسلح لوگوں کے درمیان پڑا رہا۔ وہ کچھ گھبراہٹ سے دیکھ رہا تھا۔

اس نے سوچا آپ دو بجے سے پانچ بجے تک وہاں پہنچا ہوا ہے۔ لیکن وہاں پہنچنے کے بعد اس کے گھر پہنچا تو وہاں اس شخص کی کیا ضرورت تھی۔ عامر نے اپنے لٹکے کی طرف اشارہ کیا۔

"چوتھ جناب ذرا ایسے ہی آپ کے سحر سحر میں۔" اس نے کہا۔

"میرے اعزاز میں کوئی پارٹی بھی تم لوگوں نے منگوائی ہوگی۔" عامر نے کہا۔

"آپ تو خاصے مسئلہ مند ہیں جناب! بات چیت چاہتے ہیں ہی ناں ناں۔"

"مے پینے ہوئے لگتے ہو۔" عامر نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

"کیا فرمایا جناب؟"

"جلدی کچھ جانو گے پر خود دار۔"

"معلوم نہیں آپ کیا فرما رہے ہیں؟"

"اس کا تو اصول ہی یہی ہے، جہاں جاتا ہے تمہارے جیسے قربانی کے کمرے پر آکر بیٹھتا ہے۔"

"جیسے بائبل میں آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔"

وہ شخص بھی خاصا ہوشیار نظر آتا تھا اور بھونکی طرف آنے پر تیار ہی نہیں تھا۔

"اگر تم نے مرنے کا ارادہ کر لی لیا ہے تو میں کیا کر سکتا ہوں۔" عامر بولا۔

"یہ باتیں بہت کرتا ہے۔ پہلے اس کی زبان کیوں نہ بند کر دید۔" چپچپے ہلنے لڑنے والے نے کہا۔

"ٹٹ اپ!" آگے والے نے اسے ڈانٹا۔ "اگر یہ اپنے دل کا غبار نکالنا چاہتا ہے تو بے

ہارے کو بوتلے دو۔ ہمارا کیا لیتا ہے۔"

"لو کے پاس اچھپے والے غلطے سے نہ کہا۔"

دو لوگ شہر سے نکلنے کے بجائے شہر کی ایک اور ماڈرن آبادی کی طرف مڑ گئے۔ وہاں نے

اپنے ہتھوں اس پوزیشن میں رکھے ہوئے تھے۔ کہ یہ احساس ہی باہر سے دیکھنے پر نہیں ہوتا تھا کہ یہاں کوئی

کاغذ کر کے لے جا رہے ہوں۔ ان کے سفر کا اختتام ایک اور شاعر بننے پر ہوا۔

اس سے پہلے کہ حاضر کوئی اور بات کرے وہ باہر نکل گیا۔ دروازہ شاید کسی خود کار نظام کا تابع

اچانک دروازہ کھلتا نظر آیا اور ایک مختص ثرالی دھکیلتا اندر داخل

کجا جاتی تھی۔
 "میں نے کہا صاحب! "عاسر نے اسے وہ جن آواز میں اسے کراہتی طرف اشارہ کیا کہ وہاں
 لکھی ہوئی ہے میں نہیں جانتا۔
 "آپ کو تو اس کا کیا لگا ہے؟" عاسر نے اسے کہا۔ یہ شخص صرف اپنے مطلب کی بات نہ
 سکتا ہے۔ "اوری آواز آئی۔
 "میں میں بدو اور مزید ہراساں ہو رہا تھا۔ میں بھوکا تو رہ سکتا ہوں۔ سناؤں نہیں ہو سکتا
 اگر لکھی ہوئی تھی کہ نہ کیلئے کسی کو میرے پاس بھیج دو۔" عاسر نے جواب دیا۔
 "ہاں! ہم آپ کی اس خواہش کا احترام نہیں کر سکتے۔ البتہ بہت سی چاہتا تو آپ دعا دیں
 سے ہاتھ کر کے رہیں۔" اسی آواز نے عاسر کا شہر ڈال دیا۔
 "تمہیک ہے ایسے جباری مرضی۔" عاسر نے بظاہر ہتھیار ڈالنے ہوئے کہا۔

ایک دن میں کافی دور چہ پینڈو چھوڑ کر وہی شخص ٹرائی وکیل کا واپس لوٹ گیا۔ عاسر کی
 چینی میں نے ایک خطرے کی نشان دہی کر دی تھی۔ اس نے اندازہ لگایا کہ ضرور کافی میں خواب آور وہ
 ملانی گئی ہے اور یہ لوگ شاید اسے بے ہوش کر کے یہاں سے کسی اور جگہ منتقل کرنا چاہتے ہیں۔ اس نے
 اس مفروضے کی بنیاد پر قسمت آزمائی کا فیصلہ کر لیا تھا۔
 پینڈو چ تو اس نے کھائے لیکن کافی بڑی صفائی سے قالین کا پلہ اٹھا کر اس کے نیچے بچاوی۔
 اب اس نے اپنے نزدیک کافی کٹھ اس انداز میں رکھا ہوا تھا جیسے واقعی اس نے کافی پی لی ہو۔

ایک صوفے کی پشت سے گردن اٹکا کر وہ بیہوشی کے سے انداز میں لیٹ گیا۔ اب اسے
 آنے والے وقت کا انتظار تھا۔ اگر اس کا منصوبہ کامیاب رہتا تو یقیناً ممکن تھا کہ اس کی جان بچ جاتی۔ آدھ
 گھنٹہ گزرنے کا آدھ گھنٹہ ایک ہی پوزیشن میں رکھے رکھے اس کی گردن اکڑ گئی تھی لیکن ابھی تک وہاں کسی
 کی آمد کے آثار دکھائی نہیں دے رہے تھے۔

عاسر باہر ہو کر گردن سیدھی کرنے کی دعا کرتا تھا۔ کہ دروازہ کھلنے کی آواز سنائی دی۔ وہی شخص
 اندر داخل ہوا جسے سب "ہاس" کہتے تھے۔
 "آج بامداد فرما رہے ہیں؟" اس نے کہا۔

شاید وہ شخص اس کی بے ہوشی کی تصدیق کرنا چاہتا تھا۔ وہ اور آدھی بھی اس کے تعاقب میں
 آئے تھے کیونکہ ان کی دہشت میں عاسر بے ہوش ہو چکا تھا۔ اس لئے وہ اس سے بالکل لاپرواہ نظر
 آ رہے تھے۔

جسے ہی اس کے دلوں میں سچی ماسر کو دلوں پر دلوں سے بھرا کر لکھی تھی۔
 میرے اپنی دلوں میں نہیں پوری قوت سے اٹھیں اس کو کہیں ایک کے وجود اور دوسرے کی طرف میں
 ایک گئی تھی۔
 وہ عاسر کی طرف سے بے فکر تھے۔ اس ایک کھلے لئے انھیں بچا کر لکھی ہوئی صفوں
 کی پڑا کر اسے اور عاسر ان کے سر پر بڑا کر کے باہر جا کر۔
 دوسرے ہی لمحے وہ آدھ گھنٹہ میں موجود تھا۔
 "پکڑو! پکڑو! دے پکڑو! ورنہ اس میں جان سے مارا اسٹاک! اسے کسی کی کیلئے کھاتے
 کی آوازیں سنائی دیں۔ عاسر دیر انداز لیکن بالکل ہوش دلوں کے ساتھ اپنی اس کی موت بھاگ رہا تھا۔
 اسے اس بات کا اندازہ تھا کہ ابھی اس کے تعاقب میں لاکھ لاکھ بھی رہیں گی۔

یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ اس کو بھی میں اس وقت زیادہ لوگ موجود تھے صرف ایک شخص
 تھیں باہر کھڑی تھی جس میں ایک ڈرائیور بیٹھا اس کا منتظر تھا۔ وہ باہر کھڑے ہو کر پہلے تو وہ جوان وہ
 میں اس سے پہلے اس معاملے کی سمجھ آتی، عاسر نے سامنے والی بڑا کر لکھی تھا۔ وہ لوگ
 ہمارے رہا تھا۔ اور جانتا تھا کہ وہ لوگ باہر آ کر قہرنگ کا خطرہ مول نہیں لیں گے۔ گوکہ سڑک پر ان کی
 لپٹی ابھی دن کا وقت تھا اور وہ کوئی نئی مصیبت مول لینے نہیں چاہتے تھے۔

ایک دوسرے بھاگتے بھاگتے عاسر نے سڑک پر کھڑے ہوئی اس کے تعاقب میں نہیں آ رہا تھا۔
 وہ سیدھا سڑک دیکھی مارکیٹ میں ٹھہر گیا۔ جلدی ایک ٹیلی فون پر وہی سے اٹھ کر کمر چکا تھا۔
 اس کے ٹیلی فون رکھنے کے بمشکل دو تین منٹ بعد ہی اسے پولیس کاروں کے سائرن سنائی
 اپنے گئے۔ شاید اس علاقے میں پولیس گشت کر رہی تھی اور کچھ نہیں ملنے والے پولیس پر انھیں عاسر کی سنائی
 ہوئی کوئی کوئی گھیرے میں لینے کا حکم دے دیا تھا۔

عاسر واپس اسی کوٹھی کی طرف بھاگ رہا تھا جہاں سے وہ فرار ہوا تھا۔ اسے کتنا ڈر نہ رہا تھا
 ہارنگ ہو رہی تھی۔ پولیس نے بڑی مستعدی کا مظاہرہ کرتے ہوئے عین اس موقع پر لوگوں کو گھیرے
 میں لے لیا تھا جب وہ بھاگنے کیلئے پر توڑ رہے تھے۔

کچھ نہیں ملنے بھی وہاں پہنچ چکا تھا۔ ان لوگوں نے بمشکل پندرہ منٹ متنازعہ کیا پھر ہتھیار مال
 دیے۔

"جان بچی سوا کھوں پائے۔" عاسر نے علی کی شکل پر نظر پڑتے ہی کہا۔

اس کی سہولت کے بعد مگر آگے۔ "علی نے جواب دیا۔
 وہ تو سب سہولتیں دے دیتے۔

پولیس افسر نے اس کے لئے چارسی تھی جب ماسران کے "ہاس" کے پاس پہنچا۔
 "میں نے کیا فائدہ کر دیا جسے ترقیاتی کارکنوں نے ہمارے گھر سے کہا۔
 "ہاس" نے جو ترقیاتی دوسرے پہلے خوب پیچھے۔ ہاتھوں خوار نظروں سے ماسر کی طرف دیکھا
 اور پولیس کی گاڑی میں بیٹھ گیا۔

کارکنوں علی خود چار ہاتھ اور دونوں اس کے ساتھ بیٹھے تھے۔ ماسر پچھلی سیٹ پر بیٹھ آگئے۔
 رات کا سہاگن تھا لیکن شام سی سے چونکہ آسمان ہاتھوں کی زد میں آیا ہوا تھا اس رات بہت گہری ہو گئی
 تھی۔

"تم پہ ہوسے کون سے کہاں جا رہے ہیں؟" علی نے ماسر کو مخاطب کیا۔
 "اس کی ضرورت ہی نہیں۔ آپ ہمیں کسی تفریحی مقام پر تولے جانے سے روک رہے۔" ماسر
 نے بے کلمے لہجے میں کہا۔
 "شاہنشاہت بہت اچھا اندازہ لگایا۔ میں نے سوچا تمہاری ملاقات ایک دو اشوں سے ہو
 جائے تو کیا بات ہے۔" علی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"انگلش اسٹاپ آپ کسی کی کوئی طرف جا رہے ہیں؟" نیچے بولا۔
 "شاہنشاہت" علی نے اس کی طرف حسین آمیز نظروں سے دیکھا۔
 "خاتیر ہے۔" کسی ہماری نظریں آچکا ہے۔ اور اب وہ ناگھو کیلئے ناکارہ ہے۔ اس نے اب
 تک کسی کام کا کر دیا ہوگا۔" نیچے نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

"وہاں سے نئے جاسوں؟" ماسر بولا۔ "تم تو خامسے بکھر دار ہو گئے۔"
 "شکریہ اعلیٰ ادا ہے یہ آپ کی صحبت کا اثر ہے۔" نیچے بولا۔
 "میں اس سے اتفاق نہیں کرتا۔" علی نے کہا۔

"آپ نے کبھی کسی گجرات سے اتفاق کیا ہی نہیں۔" ماسر بولا۔
 "میں ان میں باتیں کرتے کسی کی کوئی کے نزدیک پہنچ چکے تھے۔ کارناموں نے کچھ
 غلطی پر ہی پارک کر دی تھی۔ اب وہ بے قدموں اس کی کوئی کی طرف بڑھ رہے تھے۔ پھر ماسر اور علی نے
 "جی ہاں! ہمیں سہل نہیں اور انہوں نے نیچے کلمات کا جائزہ لینے کے لئے اندر بھیج دیا۔

کسی کمرے سے دو ترقیاتی کارکن آ رہی تھیں۔ نیچے ان کے ساتھ چلے گئے۔
 اس کے طرف سے ملے دیا تھا۔ جلد ہی اسے اس کے ساتھ چلے گئے۔
 اب اس کا رخ اس خاص کمرے کے دروازے کی طرف تھا۔ نیچے نے ان کے ساتھ چلے گئے۔
 ماسر نے اس کے ساتھ چلے گئے۔
 نیچے نے اس کے ساتھ چلے گئے۔

اس نے نیچے کے ماسر کی مدد سے سوچے ہوئے حاش کر کے کمرے کی کلاں چلائی۔ اس کی
 آنکھوں کے سامنے بڑے کسی کی لاش پڑی تھی اور ایک تھا ساجیس اس کے گلے میں بٹھا تھا۔ نیچے
 نے کمرے کی خاص نشانی تھی۔ اس کے چہرے پر لاییت کے آثار تھے اور وہ ہاتھوں کے گلے پر تھا۔ اس کا
 مطلب بھی تھا کہ اس نے حملہ آور کو کچھ کر جان چھانے کی کوشش کی تھی۔ یہ ایک بات تھی کہ وہ تیرے کلاں
 بن کر رہا۔

نیچے نے برآمدے میں آکر ماسر کے مخصوص اشارے سے دونوں کو اٹھایا۔ وہاں
 سوٹ کس موجود تھے۔ یوں دکھائی دیتا تھا جیسے کسی یہاں سے بھاگنے کی کوشش کر رہا ہو۔ ماسر نے
 تیرے کلاں بن گیا۔

"ایک ہی لاش ہے۔ امید ہے آپ کو بھی ہوئی ہوگی۔ کیونکہ آپ زیادہ کی امید کر رہے
 تھے۔" ماسر نے کہا۔

"انگلش اس کی بیٹی غائب ہے۔" نیچے بولا۔

"ارے وہ اس کی بیٹی نہیں تھی بلکہ ایک افریقی ملک کے سفارت خانے میں کام کرتی تھی اور
 ہمارے گروہ میں شامل تھی۔ یہ وہی ملک ہے جہاں سے بڑے لائن جہاز آئے۔ وہ جہاز کے مطابق اس
 کی بیٹی بن کر یہاں رہ رہی تھی۔ ممکن ہے یہ کارنامہ بھی اس کے ہاتھوں تھا۔ ماسر نے اس کا جواب دیا۔
 ماسر نے اس کا جواب دیا۔

لاش کی جیبوں کی حاشی لینے سے کوئی قاتل ذکر جرح برآمد نہیں ہوئی تھی۔ علی نے چاباکر
 قریب کے فون کے ذریعے پولیس کو اس واردات کی اطلاع کر دی۔

ابھی اس نے دو قدم ہی فون کی طرف بڑھاے تھے جب اچانک اس کی کھنٹی بجے تھی۔ علی
 ابھر رک گیا۔ چند لمحوں میں اس نے کچھ سوچا پھر فون اٹھا لیا۔

"ہلو" اس نے آواز بدل کر کہا۔

وہاں سے۔
 "خیر انہیں کچھ نہیں ملے گا۔ وہاں تو سب سے زیادہ دوسرے طرف دنگ تھا۔"

مگر جی کہ یہ سب باتیں آگے۔
 "چلو چلو، میں نے اسے اپنے ہاتھوں ہی اس کا تھک چکا ہے۔ سلی نے کہا۔

اس کے ساتھ ہی اس نے عامر کو اشارے سے کار کی طرف روانہ کیا کہ وہ کار میں گئے
 واپس کے دوپہر دیکھیں۔ ہاتھوں کو چھو کر سہے کہ اس خبر کا پتہ لگائیں۔

"میرا اصول ہے کچھ نہیں مانتے۔ یہی پولیس کی نظروں میں آئے وہاں کو سوائف نہیں کیا۔"
 "لیکن یہ ہے چار اوتار ہمارے کہنے پر ہمارے سامنے آیا تھا۔ ضرور تم نے ہی اسے کہا تھا تم

سے کہ اسے ظاہر ہے ہمارے ذہن میں اس کی نظروں میں آئے۔ سلی نے سلسلہ گفتگو طویل کرنا چاہا۔
 "میں اپنے ذہن پر زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا کرتا۔ یہی ایسی فضول باتیں سوچتا ہوں۔ اس

تہا کی نظروں میں آ گیا۔ اسے صراحتاً چاہئے تھا۔" سلی نے قہقہہ لگایا۔
 "لیکن اس نے چارے باز سے کیا قصور تھا؟"

"مجھے تم سے چارے سنا سنی اس فون فیری مگر کر رہے ہوں گے لیکن یہ پبلک کال آفس ہے
 اس لئے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں کبھی کسی کے سوال کا جواب نہیں دیتا کرتا۔ لیکن تم بہادر

آہی ہواں کے لئے لوگ وہاں سے گروہ کا کافی تھا۔ دوسرے گروہ سے مل گیا تھا۔"
 "کون سا گروہ؟" سلی نے فوراً پوچھا۔

"ہمارے بھی کچھ اصول ہوتے ہیں مسزلی۔" اس کے ساتھ ہی سلسلہ منقطع ہو گیا۔
 فون پر اس نے پولیس کو لاٹش کی اطلاع دی۔ ابھی وہ فارغ ہی ہوا تھا کہ نیچے عامر اسے

اٹھاتے دکھائی دیئے۔
 "فون نہیں مل سکا؟" دونوں نے بیک وقت پوچھا۔

"ہاں اور اتنا بے وقوف بھی نہیں۔" سلی نے جواب دیا۔

☆☆☆

وہاں سے۔
 "خیر انہیں کچھ نہیں ملے گا۔ وہاں تو سب سے زیادہ دوسرے طرف دنگ تھا۔"

مگر جی کہ یہ سب باتیں آگے۔
 "چلو چلو، میں نے اسے اپنے ہاتھوں ہی اس کا تھک چکا ہے۔ سلی نے کہا۔

اس کے ساتھ ہی اس نے عامر کو اشارے سے کار کی طرف روانہ کیا کہ وہ کار میں گئے
 واپس کے دوپہر دیکھیں۔ ہاتھوں کو چھو کر سہے کہ اس خبر کا پتہ لگائیں۔

"میرا اصول ہے کچھ نہیں مانتے۔ یہی پولیس کی نظروں میں آئے وہاں کو سوائف نہیں کیا۔"
 "لیکن یہ ہے چار اوتار ہمارے کہنے پر ہمارے سامنے آیا تھا۔ ضرور تم نے ہی اسے کہا تھا تم

سے کہ اسے ظاہر ہے ہمارے ذہن میں اس کی نظروں میں آئے۔ سلی نے سلسلہ گفتگو طویل کرنا چاہا۔
 "میں اپنے ذہن پر زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا کرتا۔ یہی ایسی فضول باتیں سوچتا ہوں۔ اس

تہا کی نظروں میں آ گیا۔ اسے صراحتاً چاہئے تھا۔" سلی نے قہقہہ لگایا۔
 "لیکن اس نے چارے باز سے کیا قصور تھا؟"

"مجھے تم سے چارے سنا سنی اس فون فیری مگر کر رہے ہوں گے لیکن یہ پبلک کال آفس ہے
 اس لئے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں کبھی کسی کے سوال کا جواب نہیں دیتا کرتا۔ لیکن تم بہادر

آہی ہواں کے لئے لوگ وہاں سے گروہ کا کافی تھا۔ دوسرے گروہ سے مل گیا تھا۔"
 "کون سا گروہ؟" سلی نے فوراً پوچھا۔

"ہمارے بھی کچھ اصول ہوتے ہیں مسزلی۔" اس کے ساتھ ہی سلسلہ منقطع ہو گیا۔
 فون پر اس نے پولیس کو لاٹش کی اطلاع دی۔ ابھی وہ فارغ ہی ہوا تھا کہ نیچے عامر اسے

اٹھاتے دکھائی دیئے۔
 "فون نہیں مل سکا؟" دونوں نے بیک وقت پوچھا۔

"ہاں اور اتنا بے وقوف بھی نہیں۔" سلی نے جواب دیا۔

بڑھا۔

"وہ کیوں جناب؟" سلی نے پوچھا۔
 "پولیس کو اپنی کار روانہ کرنے کیلئے وہ بیان کرنا ضروری نہیں۔" بخاری نے نفرت سے کہا۔

"لیکن ہم آئی جی صاحب کو آگاہ کر چکے ہیں۔" سلی نے کہا۔
 "کمال ہے بچا! ایک تو ہم نے پولیس کی مدد کی۔ اسے لاٹش کی اطلاع دی۔ اب ہمیں پر آپ

وہابی سے
وہابیوں نے کہا: "تو اس کی رنگ بڑا ہے اس لئے کہی۔"
"تم نے کہا، پھر خدا پر سنا ہے میں ناگت تارا کیا کرو۔" نگار نے اسے اس کا نام

تم نے کیا سوچا رہو؟" علی نے پھر اسے ڈاکا۔

”میں نے کہا کہ انہوں نے کہا ہے۔“ عامر نے کہا۔

مخاری کے جانوروں کے لئے اپنی کسی پرکلا یا تانکھن نہیں رہا تھا۔ وہ اپنے منہ پر ہاتھ رکھے۔

”یہ اتھاری زبان کو لگا سہا مل سکتا ہوں۔“ بخاری (۱۱)۔

”آپ آپ بھر فخر کریں گے۔ حالانکہ انعام زبان کو نہیں، گھوڑے کو ڈالنی چاہتی ہے۔“ مامر

42

”آپ کی بڑی ضرورتی ہوگی۔ میں بھی اس کی زبان کے ہاتھوں بہت تنگ آ چکا ہوں۔“ سہلی

42

”تم میرا منہ ڈار رہے ہو۔“ بخاری اسے زور سے چلائی کہ پولیس فونو گرافر کے ہاتھوں سے کمرہ گرنے لگے۔

حاصل کے ہائی توں کھلکا کر نہیں دیئے۔ اب ان کے لئے یہی روکنا ممکن نہیں رہا تھا۔

”دفع ہو جائیو یہاں سے“ بتکاری دور پارہ دھماڑا۔

”لیکن کہاں جناب! ہاں تو بڑی سخت سردی پڑ رہی ہے۔“ عامر نے کہا۔

”جنت میں ہے!“ لکھاری بولا۔

اس وقت تو وہاں بھی کوئی گھنٹے نہیں دے گا۔" عامر نے اپنی گھڑی کی طرف دیکھ کر کہا۔

عج آ کر بخاری کو ۱۶ وہاں سے جانا پڑا۔

اس کے وہاں سے بچے ہی پولیس کے سارے محلے پر ہنسی کا جیسے دورہ پڑ گیا تھا۔

☆☆☆

کارکنان علی چادر ہاتھ اور حسب معمول نیچے آگے بیٹھا تھا۔ کچھلی سیٹ پر عامر بی جان کر لینا
ہواڑا لے لے، ہاتھ وہ بھی ٹکڑے کر چاہتا تھا جیسے گہری خیند سو رہا ہو۔ یہ سکول کے بچوں کی چھٹی کا
وقت تھا۔ اس لئے علی نے کارٹر کے باہر جانے والی شاہراہ پر موڑ لی۔ وہ لہا چکر کاٹ کر شہر میں جانا

وہاں کسی بھی شکل کے جان بکے گئے۔ علی نے بھی اپنی گردن ہموار کر لی۔ دوسری طرف
مڑی سے باہر بھاگی تو بیکر داخل سے ان کے گھر شروع ہو گئی۔ گردن علی کا کہ نہ بکے نہ ہاتھ
وہاں اٹھائیں اور وہیں علی تھیں۔ وہاں کے سر میں گتیں۔

پھر وہ حال ان بچوں کی دیکھ کر دل میں ہوا کہ ایسا ایک ملکوں سے گھرانے والے ہے۔ بچوں
کی اسے تیار ہو چکے تھے۔ ماسٹر نے اپنے ہاتھوں میں رکھی شیشی کی جھلی اور بچوں نے اپنے
ساتھ لے لی۔ پھر وہ کھڑن دیا تو ایک جڑا کرینے والی سو جو تھا۔ اس نے فوراً بچوں کی ہر کھانسی
کا کھڑکوں کے ساتھ مکمل چکے تھے۔

فہرست کے تحت ان کی طرف آ رہی تھی۔ آگے لے کر مٹی کی جگہ پر ایک بڑی کھدائی کی گئی تھی۔ اس سے
 پتہ چلا کہ وہاں ایک بڑی کھدائی کی گئی تھی۔ اس سے پتہ چلا کہ وہاں ایک بڑی کھدائی کی گئی تھی۔

ہم اس کاریگری سے سید عالمؑ کو لوگوں پر گرفتار کرنا چاہتے تھے کہ ان کی کاروباری کمپنی کی کاروباری کاروں سے دوسری کاریگران سے پیشکشیں کرنے کے واسطے پر دھماکے سے لڑائی ہو اور دھماکے سے محفوظ رہے تھے۔

ابھی علی بمشکل سنبھلا ہی تھا کہ سچے والی کا کرکڑا ہنسیوں نے پلٹ کر اچھا طرف پڑے دیکھا۔

میں نے اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے ایک نوجوان کی کار کی
ساتھ اوڑھ لی۔

حاضر نے اپنی جگہ سے اٹھ کر اس مچت کے سوراخ میں سے سامنے والی کار پر گولیاں برساتی

راہ کر دیں۔ پہلی ہی گولی ڈارائیور کے ماتھے پر لگی۔ علی نے اپنی کار کو تیزی سے دائیں طرف گھمادیا۔

حلقہ آور کار کا ڈراما سیرنگ پر کراہا تھا۔ ان کی کار بے قابو ہو کر مرنے دھڑ سے جا

رائی۔ ایک زوردار دھماکہ ہوا اور اس کے بھی پر اڑ گئے۔

”ویل ڈن!“ علی کے منہ سے نکلا۔
عام نزاع پر مشکا ہوا تھا۔

عامر نے واقعی بہت مشکل نشانہ لیا تھا۔ اس طرح چلتی کار سے نشانہ لینا بہت مشکل کام تھا۔

اپنی طرف سے تھوڑی سی آگ لگی تھی۔ ابھی وہ چند سوگز آگے ایک سوڑ سے ہی تھے۔ وہ اب ایک ٹیکہ دیکھ رہے تھے۔ ان کے سامنے ایک بڑا سوڑ تھا۔ اس کے کمرے کھڑی تھی۔ علی نے تھوڑی سی گاڑی آگے بڑھا دی۔
 لیکن نے بھاگنا چاہا لیکن علی نے پوری قوت سے ہر ایک لکائی۔ اس کے ساتھ ہی سامنے اس کے دونوں ہاتھ لگائیں مار کر چھڑا دیے۔ لیکن اٹھ کر دوڑ چا گری۔ اس نے وہ جین تھوڑا ہاتھ لگائی تھیں۔

”باہر کو جاؤ۔“ ایک ایک علی چلا۔
 جینوں نے باہر چلا گئے۔
 علی نے اپنے پیچھے آنے والی ایک تھوڑا سا سوڑ کا کو کچھ لیا تھا۔ جینوں کی کار سے نکل کر وہ سوڑ دھکے سے رک گئی۔ جینوں نے فٹ پتھر کے ساتھ پوزیشن سنبھال لی تھی۔ اسٹین وائی کار سے تھوڑا سا علی کو ان کے فائرنگ کرنے لگے تھے۔ سامر کے پاس تین گن اور علی کے پاس اس کا سرورس اور ایک فائرنگ۔ جب کہ چپ خالی ہاتھ تھا۔ وہ اپنی تربیت کے مطابق جگہ بدل بدل کر حملہ آوروں کا مقابلہ کرتے رہے۔ قریب آدھ منٹ بعد جب ان کی گولیاں بھی ختم ہو چکی تھیں پولیس ان کی مدد کو پہنچ گئی۔ اب بد معاشوں اور پولیس کے درمیان مقابلہ جاری تھا۔ تیس منٹ کے مقابلے کے بعد جب وہاں آٹھ لاشیں موجود تھیں۔ پولیس نے ان بد معاشوں کو اسٹین سمیت گرفتار کر لیا۔ یہ سب شہر کے مانے ہوئے فٹو تھے جسے ہنگو نے ان کی وقفات سے زیادہ اسٹین کے اس گناہ کو کام کیلئے رضامند کیا تھا۔

☆☆☆

پولیس کے دروہان بد معاشوں نے بہت سے انکشافات کئے۔ اور ہنگو کے کئی ٹھکانے بھی بتا دیے۔ سات رات پولیس کی گاڑی ہنگو کے مختلف ٹھکانوں پر چھاپے مارتی رہیں لیکن وہ پولیس کے ہاتھ نہ آ سکا۔

حالانکہ ان تین گن تھا کہ کرنل شیرازی، خود علی اور اس کے ساتھیوں کی عیادت کو آگئے تھے۔ آج کئی کسی غم کماں طرح ان پر قاتلانہ حملے کرنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔ کرنل شیرازی کے حکم سے فوج کے کمانڈروں نے سولیشن لباس میں تینوں کی حفاظت کی ذمہ داری طے کی تھی۔

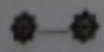
”اب وہ کچھ نہیں سکتا۔“ علی نے کرنل صاحب سے کہا تھا۔ اب اس پر جنوں طاری ہو چکا ہے۔ ایک ایک کر کے اس کے اڑے ختم ہو رہے ہیں۔ اسے مجبور ہو کر اپنے بل سے باہر آنا ہی پڑے گا اور یہی وہ اپنے بل سے باہر نکلا، ہم اسے کل ڈالیں گے۔ انشا اللہ“ اس نے بڑی بھید کی کہا۔

جبراً تو مجبور رہنا تھا۔“ سامر بظاہر بہت ہی بھوکے تھے۔
 ”کیا آپ کرنل شیرازی نے پوچھا۔
 ”مگر جین ہوتے وہاں سے لپکے وہ بکسروں کی تعداد کتنی کم ہو چکی۔
 ”خوش اس کے لیے ہے۔“ سامر نے بکھاں طرح کہا کہ سب ہی ڈانگہ ختم ہو گیا۔
 ☆☆☆

”مج سے یہ قانون تھا جسے سن کر علی سپرد سہا ہو کر مرنے پر آمبر ہو گیا۔“
 ”خیر بتا“ سامر بولا۔
 ”یہ تھا سرکاری اہل کار صبح سے مارا جا چکا ہے۔“ علی نے سیدل سے کہا۔
 ”وہ میرا خدا یا اب بھاری کیا جھک مارا ہے۔ پولیس کہا کچھ علامت کی علامت کی طرح رہی۔“
 ”جی۔“ سامر نے فیسے سے کہا۔

”میرے خوردار میر اس معاملے میں کوئی بکھیریں کر سکتا۔“ علی نے بے جا کہا کہ سب کچھ بڑھ کر ہی ابکار کے ساتھ ایک ایک قاتل قہقہہ کر رہے۔ تم جانتے ہو جین تینوں کی مدد سے چھاپک جینوں کو چاک کر رہے ہیں انہیں قاتل کرنے کے لئے کسی توپ کی ضرورت نہیں تھی۔ ایک معمولی سے چاک قاتل کو مرنے سے وہ حیرت چھینکا جاتا ہے۔ اور آج تازہ مر رہا تھا ہے۔ کہ کسی کو اس لئے کی مہلت نہ تھی۔ اب پولیس کیا شہر بھر کے کھلونوں کی دکانوں پر گھومتی پھرے گا ایک ایک سے پوچھے کہ جناب آپ تیرا ادا زنی کا شوق تو نہیں فرماتے۔

تینوں گہری سوچ میں ڈوب گئے۔ ایک ہی دن میں چار سو کارائل کا دل پر حملہ موت کی خبر ملنے کے روز جب اخبارات میں چھپیں تو ایک قیامت ہی آگئی۔ حکومت کے خلاف بیانات کا سلسلہ جاری ہو گیا۔ اور اعلیٰ حکام بار بار اس پر طلب تھروں سے کچھن علی کو دیکھ رہے تھے اور اس کے پاس فی الوقت ہنگو کا کئی کلو میٹر باقی تھوڑا تھا۔



اس کیرنگ کبھی کوئی کام نہ کر سکتا تھا۔ وہ صرف ایک بڑا بڑا آدمی تھا جس کا نام تھا "بڑا بڑا"۔

یہ ایک بات کر لی وہ پہلے سے ہی زیادہ خطرناک کام کر رہا تھا اس لیے شرطیں تو اتار
لی گئیں اور وہ شروع کر رکھا تھا۔ افسر میرا ملک سے آنے والی جانچ کر لیا تھا کہ اس کا کام
خدا آنکھیں کے ملک میں اس طرح غیر قانونی طور پر پکڑا گیا تھا اس لیے اسے زیادہ تر اس شخص کا قاتل تھا۔
وہ اس کا جرم تھا کہ خیال ہے جو یہ نہیں کو اس کی کسی بھی شک کی گئی تھی۔

ملی کے لیے زیادہ چارٹرڈ اسپتے والی ہست بھی کرتے تھے لاکھنؤ میں جہاز کی کئی صنعت آ رہی تھی جس جہاز سے متعلق معاملات کو اس پیشے سے لڑتا تھا۔ جب کہ لاکھنؤ میں سڑکوں کا کام نہ بہت پورے پورے طور پر آ رہا تھا اس کے باوجود کسی نے اس محکمہ کی طرف توجہ نہیں دی تھی۔

☆☆☆

اگر جیسے ہی اپنے دختر سے ان کے کار پر انگلی کی طرف بڑھا تو جیسا پہلے سے سوچا تھا کہ قریب ہوگی اس سے نزدیک آ گیا۔ دونوں اس طرح ملے جیسے اپنا ایک ان کی ملاقات ہو گئی ہو۔ وہ شخص انسر کے انہی ہی بن گیا اور دونوں اس کے عقیدت کی طرف چل دیے۔

افسر رہنے والا تو کسی اور شیر کا تھا لیکن اس نے یہاں ایک شاندار و حنر لکھ کر اپنے
 رکھا تھا۔ عامر، انکسٹرا اور اوٹو ٹیپ بڑی ہوشیاری سے اس کا تعاقب کر رہے تھے۔ تعاقب کا یہ سلسلہ افسر
 کے قیام پر ختم ہوا۔

کار انہوں نے دور ہی پار کر دی تھی اور اب حقیقت کے گرد پھر رہے تھے۔ رات گہری ہونے لگی تھی لیکن ابھی تک نہ کوئی اندازے باہر آ یا نہ ہی باہر سے اندازہ کیا۔

”میرے خیال میں امدادی قسمت آزمائی کی جائے۔“ مامرنے تجویز پیش کی۔

”میرا بھی یہی خیال ہے۔“ ناصر بولا۔

تھوڑی ہی دیر بعد شیخ اندر داخل ہونے کے لیے پرتول رہا تھا۔ اس کے کپڑوں میں داکئی
 داکئی موجود تھا۔ جس کے ذریعے اس نے ان لوگوں کو اندر کے حالات کی اطلاع دے دی تھی۔

نیچے عمارت کے پائپ کے ذریعے قلیٹ کی چھت پر پہنچ گیا۔ ابھی اس نے پہلا قدم ہی رکھا تھا کہ

”مفسوس اس بات کا ہے کہ ہم نے ایک ایک کر کے اس کے تمام ٹھکانے بھی ضائع کر

وہی ہے۔ "عامر بن ابی"۔

میں کے باوجود میرا دل گواہی دیتا کہ وہ ایک دوروڑے میں ہمارے کا بیٹا ضرور آجائے گا۔ علی نے اس بات پر انکاروں سے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔

”بھاری“ کا ایک عام کے حوالے سے لکھا اور اس نے میٹھی سی بھجائی۔

”کیا ہو گیا؟“ ”خیریت تو ہے اتم کیوں اٹا رہا ہے اور ہے؟“ ”علی نے پوچھا۔

”ایک بات ذہن میں آئی ہے۔“ عامریو۔

”کیونکہ میں نے دیکھا۔“

”وہ بکھر گئی آفس کیوں نہ چپک کیا جائے جہاں رنجہ پایا کرتا تھا۔“

”وہ میرا شہر“ علی نے اس کی پیٹھ پر دھول جھانکی۔

”واللہ تعالیٰ اعلم“ یہ سب طریقہ ہے شہادت دینے کا۔“ عامر نے اپنی کمر سہلاتے ہوئے کہا۔

”کبھی کبھی تو بارگاہ کمال کر دیتے ہو۔“

یہ میں اپنی کم ہڈی استعمال نہیں کرتا اور نہ جانے کیا سے کیا ہو جائے۔" عامر نے کہا۔

نجان مکر ایچے ان کے کچھ ہوتے اسباب ڈھیلے پڑنے لگے تھے۔ علی کو امید تھی کہ عامر نے جو حق اللہ مجھ سے منسوب کیا ہے وہ ضرور اٹھانے پر لگے گا۔

اس نے انکسپکٹور، شیڈ اور عارضیوں کو اسی مہم پر بھیجا تھا کہ وہ جلد از جلد جتنی زیادہ معلومات اس کی کمی کے حلقہ حاصل کر سکتے ہیں اس تک پہنچا دیں۔ ۱۱۔ پھر تک اسے جو معلومات حاصل ہوئیں وہ

"وہ اپنے آپ کو کہتا ہے۔"
 "تو نے فوراً ہاتھ کھڑے کر دیے۔"
 "صاف کرنا ہوا تھا۔ مجھے تم سے ملنا تھا۔ یہاں موجود ہوں گے۔ کیا کرتے ہو۔ ایک
 طبقے سے ملنے کے لیے جانا۔ کوئی بات نہیں اور پھر شہر میں ہر طرف چلیں گے۔ کبھی کبھی
 کہا ہے کہ اگر تم کو ملے گا تو یہاں کیلئے بھی۔" جناب والا! یہ وہ ہے ہاتھوں میں جو کرنا چاہوں۔"
 "نہی کی بات نہیں کی طرح اٹھ کر رہی تھی۔"
 "تم اپنی اسٹیج پر کھڑے ہو۔ تم کو ملے گا۔" اس شخص نے کہا۔

"ایک منٹ بھائی جان! میں اکیلا ہی کیوں چھنوں۔ وہ جو میرے ساتھ وہاں پہنچے گا وہاں
 اسے میں لوں گا۔" کہاں ہے اس شخص نے کہا۔ اور میں اکیلا جاؤں گا۔ میں نے اس طرح کہا تھا
 وہی اپنے ساتھ والے پر کوئی پھنسا چاہتے ہو۔
 "اگر کہتے ہوئے وہ چاکر ہو گیا تو کچھ اور اپنی ایک ایسی ہی حکومت کر اس نے دوسری بات آتی
 زور سے ملے اور اسے گھر میں ماری کہ اسے دوسرا اس لیے نصیب نہ ہوا۔ یہ اس کا خاص حال تھا جو
 ایک اپنی نامزدگی میں لگا ہوا کرتے تھے۔
 پھر سے دار پہ ہوش نہ چکا تھا۔

نیچے سے دانی دانی کے ذریعے سارا واقعہ عامر تک پہنچایا جس نے اسے فی الحال انتظار کرنے

کہا تھا۔
 عامر کے اشارے پر آپسکے پاس کار میں پہنچا اور اس نے کار میں گئے ٹرانسمیٹر کے ذریعے علی کو

کہا کہ اسے باخبر کیا۔
 "میں خود آ رہا ہوں۔ فی الحال کچھ نہ کرتا۔" علی نے کہا اور سلسلہ منقطع ہو گیا۔

اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ دال میں ضرور کچھ کالا ہے اور اس مرتبہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ بنگو
 ہاتھ سے لگنے دے۔ اس نے براہ راست اس کھیل میں کودنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

علی اور عامر چمت پر پہنچ چکے تھے۔ علی کی ہدایت پر عامر نے بے ہوش پھر سے دار کے کپڑے
 مٹکے لیے تھے۔ دونوں کو کچھ سمجھا کر وہ نیچے اتار آیا۔ اب صورت حال یہ تھی کہ عامر پھر سے داری پر جب موجود
 تھا اور اس نے نیچے کو دوسری منزل کے اس کمرے کے درمیان میں فٹ کر دیا تھا جہاں سے روشنی چھن کر
 باہر آ رہی تھی۔

جیسے درمیان سے ٹپنے لگے اندر بھاگتا ہوا بھونچا رہ گیا۔ ناگہم یہاں پہلے ہی سے موجود تھا۔

اس شخص کو ملے بہت ہو شادی و شادی کی جگہ پہنچا ہی تھا۔ کچھ دیر تک اس کا تپا نہ تھا۔
 اس نے فوراً ہی اس کا ہاتھ کرنا دیا اور وہاں کا کمرہ کھانے کا تھا۔
 اس نے فوراً ہی اس کے کمرے میں چلے گئے۔ جن کے درمیان کچھ بات چیت ہو رہی تھی۔
 "وہ تو اس کا گھر تھا۔ مجھے شادی بیاہنی کی ضرورت تھی۔" اس نے کہا۔
 اس کا نام کسی بھی شکل میں آئے۔ "اس کی آواز نہ آئی۔"
 اس کا چشم میں کیا تھا۔ ایک لمحے کے لیے وہ اس کی بات کو سمجھ گیا۔

وہاں میں یہ کام ہو جانا چاہیے۔ یہ صورت میں۔ "ناگہم نے اس سے کہا۔
 "میرا خیال ہے اس آپ نے اس کی بات کو سمجھ لیا۔" اس نے کہا۔
 "میرا خیال ہے اس آپ نے اس کی بات کو سمجھ لیا۔" اس نے کہا۔

وہاں میں کچھ کہنا چاہا۔
 "وہ آپ ناگہم نے اس کی بات کو سمجھ لیا۔" اس نے کہا۔

انتقال کرنے والوں کو کیا سزا دیا کرتا ہوں۔
 "ملتی ہوگی پس اہم معافی دے دیجیے۔" اس نے بھلاتے ہوئے کہا۔ "اگر آپ کے

پر عمل قبول ہوگی۔"
 نیچے نیچے آئے۔ اس نے عامر کو ساری شکوہ دی۔ عامر نے فوراً کارڈ اس پر کچھ علی کو

اطلاع دے دی۔
 جس نے انہیں مزید ہدایت دی کہ وہ ایک سر پر عامر کی مدد سے نیچے ہی درمیان میں فٹ

ہو گیا۔ اس نے اپنا انحصار سب سے متوال بھی نکال لیا تھا۔ جب کہ عامر نے فٹ کے دروازے کے دروازے پر
 سنبھال رکھی تھی۔

☆☆☆
 فلیٹ کے چوکیدار نے دروازے کھولا تو اس کے سامنے ٹگر کھلی کے دروازے میں کھڑے تھے۔

"کیا بات ہے؟" اس نے پوچھا۔
 "جناب! یہاں سے کسی نے لائٹ خراب ہونے کی رپورٹ کھائی ہے۔" اس نے کہا۔

نے جو کچھ سن لیا تھا۔ کہا۔
 "نہیں ہماری بجلی تو ٹھیک ہے۔" چوکیدار بولا۔

"ہمارا کیا دامخ خراب ہے جو اتنی سڑی میں یہاں مارے مارے پھر رہے ہیں۔" آخر
 رپورٹ کھائی گئی ہے۔ جب ہی ہم آئے ہیں۔" دوسرا آپسکے پاس سر تھا جو بولا۔

دروازے سے میں کچھن میں کھڑا ہوا۔
دروازے سے میں کچھن میں کھڑا ہوا۔

”ایہ گلو اتہا را کھیل شتم ہو گیا۔“

”خیر دارقائید کرتا“ ”میں نے حاضر اور حاضر کو تھیں کی جودولہ سے میں ہوا میں لے کر۔“

تھے۔ ”ہاں جو تمہیں اپنی غمخواری پر بہت ناز ہے۔ آؤ اور خود کو آزمائو۔ میں نہیں چاہتا کہ تم دل میں
آج سے ہی کے کر مر جاؤ۔ عقل کی آواز سے تم پر چلک رہا ہے۔

ہاگو نے دیوانہ وار اس پر حملہ کیا تھا۔ وہ چاند میں ٹھہرتا ہے اور اس کی طرف آتا ہے۔
انہیں حالت میں ملے۔ یہی شخص تھا، باری لگا کی اور جب دونوں زمین پر گرے تو ڈاکٹر ہانگو کے حوصلے
دور کی شدت سے جھلک اٹھی تھی۔

دور زمین پر گرا ہے جس پر پائے کی طرح خوب رہا تھا۔ مگر اس کے ہاتھ سے لکل کر مرنے جا گیا تھا۔ افسر اور غیر ملکی پمپنی پمپنی نظروں سے یہ سارا منظر دیکھ رہے تھے۔

”جاگو، میں نے کہا تھا کہ تمہارا کھیل ختم ہو گیا۔ تم نے اپنے اس مجھ سے جانے کئے بے گناہوں کی جان لی ہو گئی۔ میں نے آج تمہاری دونوں نگاہیں توڑ ڈالی ہیں۔ دنیا کا کوئی ڈاکٹر اب انہیں جوڑ نہیں سکتا۔ جاگو اتم اب خود موت کو قتل کرو گے۔ محتاجِ حق کر زندگی گزارنا تمہارے لیے ممکن نہ ہے۔ آج کے بعد تمہارے ہاتھ کسی کی جان لینے کی قابل نہیں رہیں گے۔“ علی نے کہا۔

”جاگو زمین پر گر اتر پڑا تھا۔ عامر کے اشارے پر باہر موجود پولیس نے اندر پہلے بھاگ دیا تھا۔

کوشی میں اور کوئی موجود نہیں تھا۔ یاگو اور اس کے ساتیوں کو پولیس والے گرفتار کر کے لے چلے گئے۔ حاصرہ ناصر اور شیچ کے ساتھ ساتھ چلی نے یاگو کوئی گرفتاری پر سکھ کا سانس لیا تھا۔ انھیں راج

یہ کہانی ہے۔ "جو کہانی نے کہا۔"

آپ کو ان کے لئے دعا ہے۔

آئے تھے۔

علاوہ برصغیر ہندوستان اور ہندوستان کے ہر اہل حق

”ایک بے گناہ غریب آدمی تھی۔ میں نے یار پور سے لکھوائی تھی۔ لیکن معصومی انھیں قید کر دیا۔“ ان میں سے ایک نے جان بچانے کے لئے ملازم کے ساتھ فرار ہو گیا۔

فلان کے بارے میں یہ ایک کاذب لٹل کران کے سامنے کر دیا۔ سامنے اپنی پٹیل دھجھک کے لیے اٹھیں۔

جیسے وہاں میں سے ایک دستخط کے لیے آئے جو حاکمی کی ضروریات اس کے بعد میں
کی۔ وہ اپنے ساتھی پر گرا جی سوا۔ پھر نے چونک کر اس کے ساتھ کیا تھا۔ تینوں کے سنبھلنے سے پہلے
تینوں نے ہوش کمال لیے۔

”اگر وہ پھر افریقا کو لوٹ کر جاتے ہیں تو ہم انہیں پھانسی دے دیں گے۔“

جیسے وہ ہاتھ آئے، وہ ہاتھ سے چپکے ظیفہ پولیس کی آدمیوں نے انہیں کھینچ کر لیا اور انہیں راک کی ہولی طرف موجود ٹرک میں لے جا کر بٹھا دیا۔

☆☆☆

ہاجر کو جاننے والے قدموں دروازے کے نزدیک آتے دیکھ لیا تھا۔ کیپٹن علی اس کے تعاقب میں وہ قدموں اوپر آ رہا تھا۔ باہر سے فلیٹ کو خفیہ پولیس کے آدمیوں نے گھیرے میں لے رکھا تھا۔ اس مرحلہ پر ایس۔ پی بھارتی نے بھی کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی اور آئی جی صاحب کی طرف سے اطلاع ملنے پر اس نے سارے علاقے کو گھیرا ڈال لیا تھا۔ اس نے اپنے ماتحتوں کو سختی سے تلقین کر دی تھی کہ اگر یہاں سے کوئی چلے بھی نکل کر بھاگے تو ان کی کم بخشتی آ جائیگی۔

گنہگاروں کی اصلاح کے لیے ہر عامر اور مہاجر نے اپنے ہاتھوں سے کمال لے لیا۔ دونوں نے پیشوا
نوجوانوں کے ساتھ مل کر ان کے گناہوں کو دور کرنے کے لیے کوششیں کیں۔

کمرے میں موجود سب سے بڑا گلاس فیئرنگلی انہیں دیکھ کر بچے بکے رہ گئے۔

تک ایسے مجرم سے کم ہی واسطہ پڑا تھا۔

مڈاشا کے سفارت خانے میں ایک خاص تقریب منعقد کی گئی جس میں دنیا کے بہت سے ملکوں کے سفیروں نے شرکت کی تھی۔ اس تقریب میں مڈاشا کے سفیر کے علاوہ دنیا کے اور ملکوں کے سفیروں نے بھی کیپٹن علی کی حکومت کا شکریہ ادا کیا جس کی وجہ سے انہیں اس در دوسرے نجات ملی تھی۔ اس خصوصی تقریب میں کیپٹن علی۔ عامر، ٹیپو اور انسپکٹر ناصر کے علاوہ ولیم کو بھی انعام سے نوازا گیا کیونکہ اس نے بھی ان لوگوں کی بہت مدد کی تھی۔ تقریب میں ایس۔ پی بخاری بھی موجود تھا جو ان کو انعام ملنے کی خوشی میں سب کے ساتھ مل کر تالیاں بجا رہا تھا۔

”ہیں! یہ کیا؟“ عامر نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

”برخوردار! آج میرا موڈ خراب نہ کرنا۔“ بخاری نے کہا۔

”جو حکم چچا!“ عامر بولا۔

اس مرتبہ قہقہہ لگانے والوں میں بخاری بھی شامل تھا۔

